ائمہ مساجد کے لیے : علمی فکری تربیتی اصلاحی بیش بہا تحفہ

نَهْجُ الْأَئِمَّةِ فِيْ إِصْلَاحِ الْأُمَّةِ

حصہ دوم



از : عبدالحفیظ ایلولوی (گجرات)

ناشر : مکتبہ احمدیّہ
جامعہ حسینیہ راندیر
مورابھاگل، راندیر، سورت، گجرات، انڈیا۔

باسم الفتاح العلیم ۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ائمہ مساجد کے لیے : علمی | فکری | تربیتی | اصلاحی | بیش بہا تحفہ

نَہجُ الاَئِمَّۃ
فِی
اِصلَاحِ الاُمَّۃ

حصہ دوم

از : عبدالحفیظ ایلولوی (گجرات)

99746 04855

تفصیلات

نام کتاب : نَہجُ الْاَئِمَّۃِ فِیْ اِصْلَاحِ الْاُمَّۃِ

جامع ومرتب: مولانا قاری عبدالحفیظ صاحب ایلولوی

(خادم الحدیث والفقہ جامعہ حسینیہ راندیر، سورت)

تصحیح : (۱) جناب حضرت مولانا خالد صاحب

(استاذ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر، سورت)

(۲) برادر جناب امداد اللہ صاحب احمد آبادی

کمپوزنگ : مولانا ضیاء الرحیم رحیمی (ہدایت آرٹ، سگرام پورہ، سورت)

صفحات : ۱۲۰

اول ایڈیشن : محرم ۱۴۳۹ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء

ناشر : مکتبہ احمدیہ،

جامعہ حسینیہ راندیر
مورا بھاگل، راندیر، سورت، گجرات، انڈیا۔

ایلول نزدِ نور مسجد، ہمت نگر، سابر کانٹھا، گجرات

99746 04855

مساجد اسلام کے روز اول سے مسلمانوں میں دینی سرگرمیوں اور غیر اقوام میں اسلامی اشاعت اور عام رشد و ہدایت کا مرکز رہی ہیں۔ مساجد اور اس کے منبر و محراب وہ مراکز ہدایت و مصادر ہیں جہاں سے ماضی میں ''کُوْنُوْا مِثْلَنَا'' کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جب اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ زندہ تھا تو مسجد صرف مسجد نہ تھی، وہ عبادت گاہ، تعلیمی مدرسہ، اصلاحی و تبلیغی مرکز، اہل اسلام کا دار الندوۃ اور دولت اسلامیہ کا دار القضا بھی تھی۔ اسلامی سارے نظام مسجد و امامت سے منسلک تھے۔ جیسا کہ ذیل کے جدول سے واضح ہو رہا ہے۔

نمبر شمار	احوالِ مختلفہ	منصبِ امامت	نظامِ مساجد
۱	مقتدا بن کر	قوم میں اطاعت خدا اور رسول لانا	نظم طاعت و اتباع
۲	امام بن کر	قوم کو مجتمع رکھنا	نظم وحدت و اتحاد
۳	معلّم بن کر	قوم کو علم سے آراستہ کرنا	نظم تعلیم و تربیت
۴	مبلّغ بن کر	ایمانی جڑوں کو پانی دینا	نظم دعوت و تبلیغ
۵	حکیم و حاکم بن کر	نظریاتی کھائی کو پاٹنا	نظم مملکت و سیاست
۶	عابد بن کر	غفلت و سستی کو چاک کرنا	نظم عبدیت و بندگی
۷	مصلحِ بن کر	معاشرے کو صالح بنانا	نظم صلاح و اصلاح
۸	داعی بن کر	اعلاء کلمۃ اللہ (بلند کرنا)	نظم اشاعتِ اسلام
۹	قاضی بن کر	تنازعات و جھگڑوں کو مٹانا	نظم مساوات و اخوت
۱۰	ہادِی بن کر	دینی و دنیوی راہ نمائی کرنا	نظم ہدایت و شعور

مسجد و امامت کا مفہوم خیر القرون میں آج کے مفہوم سے زیادہ وسیع تھا۔ کتاب ہذا کا خاص مقصد نظامِ مساجد اور امامت کو خیر القرون کے نہج پر لا کر ائمہ مساجد کو فعّال بنا کر ان ہی کو اصلاح امت و اصلاح معاشرہ میں افراد ساز بنانا ہے۔

پیش لفظ

فقیہ عصر جناب حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، اس لیے اللہ کے بھیجے ہوئے دین شریعت سے متعلق تمام کاموں کا مرکز بھی یہی مسجدیں ہیں، نماز باجماعت اور اعتکاف تو ایسا عمل ہے جس کو مسجد ہی میں انجام دینا واجب ہے، لیکن مسجد کا کردار ان دو اعمال تک محدود نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسجدیں درسگاہ بھی تھیں، یہیں تذکیہ واحسان کی بزم بھی آراستہ کی جاتی تھیں، اسی میں مسلمانوں کے باہمی مقدمات فیصل کئے جاتے تھے، یہیں سے فتاویٰ صادر کئے جاتے تھے اور مسائل شرعیہ کی رہنمائی ہوتی تھی، یہیں مجاہدین اسلام کے لشکر مرتب کئے جاتے تھے، یہیں سے احکام سلطنت جاری کئے جاتے تھے، اور اسی جگہ بیرونی سفراء اور وفود سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، غرض کے مسجد مسلمانوں کا ہمہ جہت مرکز تھی، اور مسجد کا امام زندگی کے تمام مسائل میں مسلمانوں کا قائد اور رہنما ہوتا تھا۔

افسوس کہ جیسے زندگی کے دوسرے شعبوں میں اضمحلال آگیا اور مسلمانوں کا عمل قرن اول سے ہٹ گیا، اسی طرح لوگوں نے مسجد کو نماز واعتکاف تک محدود کر دیا، اور ائمہ صرف پانچ وقتہ نماز کے امام سمجھے جانے لگے، نہ لوگوں میں یہ جذبہ باقی رہا کہ وہ زندگی کے تمام مسائل میں امام کو اپنا قائد ورہنما سمجھیں اور نہ ائمہ میں اپنے درجہ ومرتبہ اور مقام کا احساس باقی رہا کہ وہ صرف نمازوں کے امام نہیں ہیں، بلکہ مسلم معاشرہ کی پوری زندگی کے امام ہیں، آج مسلمان جس

بے دینی ، بے راہ روی اور معاملات اور سماجی زندگی میں شریعت سے غفلت کا شکار ہیں ، اس کا علاج اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ وہ مسجد کو زندگی کے تمام مسائل میں مرکز ہدایت بنالیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو بار بار کہنے اور لکھنے کی ضرورت ہے، مقام مسرت ہے کہ محبی فی اللہ جناب **مولانا عبدالحفیظ ایلولوی** صاحب نے اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے تفصیل سے قلم اٹھایا ہے، نیز قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے اس موضوع پر ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے، جس میں مساجد اور ائمہ مساجد کے مقام اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ائمہ کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ معاشرہ میں مساجد کے کردار کو بحال کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری فعالیت اور بصیرت کے ساتھ انجام دیں، یہ ایک مفید کتاب ہے، مصنف نے مناسب سمجھا کہ تدریج پر عمل کرتے ہوئے اس کے تھوڑے تھوڑے حصے شائع کئے جائیں، اس لیے ابھی اس کا پہلا حصہ جس میں مساجد کی اہمیت اور منصب امامت کے تقاضوں پر روشنی ڈالی گئی ہے شائع کر رہے ہیں۔

یہ حقیر ابھی سفر میں ہے، اس نے مختلف مقامات سے مطالعہ کی سعادت حاصل کی، امید ہے کہ ان شاءاللہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب کتاب ہوگی، موصوف نے نظام مساجد کی اصلاح کا ایک نظام بھی مرتب کیا ہے، اگر واقعی وہ عمل کے سانچہ میں ڈھل جائے تو یہ ایک بڑا کام ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ۔

خالد سیف اللہ رحمانی

نزیل : جامعۃ القرأت، کفلیۃ، گجرات

۷ شعبان ۱۴۳۸ھ

۳ مئی ۲۰۱۷ء

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی (ایم پی)
Mohammad Asrarul Haque
Member of Parliament
(Lok Sabha)

सत्यमेव जयते

16, South Avenue, New Delhi-110011
Ph.: 011-23795046 Telefax: 011-23795314
E-mail: mahaqqasmi@gmail.com

Ref. No. ....

Date 21/10/17

تاثرات

(مفکر ملت حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی دامت برکاتہم)

شریعت اسلام میں ائمہ کی اہمیت و برتری اور فضیلت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ایک موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''امام اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے''۔ اس کا ایک ظاہری مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران اماموں کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کے عمل کے مطابق عمل کیا جائے تاکہ ہماری نماز درست اور مکمل ہو سکے۔ لیکن ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ معاشرے میں امام کے منصب کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اچھے اور اعلیٰ اخلاق و کردار کو اپنایا جائے اور اس سلسلے میں بھی انہیں اپنا راہنما بنایا جائے۔ نبی اکرم ﷺ پوری زندگی مسجد نبوی کے امام و خطیب رہے اور مسلمانوں کو دی جانے والی تمام تر تعلیمات مسجدوں کے ذریعے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتی تھیں۔ چاہے معاشرتی مسائل ہوں یا اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلنے کی تدبیریں، چاہے تعلیم و تعلم ہو یا دیگر امور سب امام یعنی نبی پاک ﷺ کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچتے تھے۔ اسی طرح لوگوں کو نماز کے اوقات کی خبر دینا اور انہیں دن کے پانچ وقت کامیابی اور خیر کی طرف بلانا بھی نہایت ہی شرف اور فضیلت والا عمل ہے اور نبی پاک ﷺ نے امام کے ساتھ ساتھ مؤذنین کے لیے بھی بڑے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی کام بتائیں، تو آپؐ نے فرمایا ''اپنی قوم کے امام بن جاؤ'' تو انھوں نے کہا ''اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟'' تو آپؐ نے فرمایا ''پھر مؤذن بن جاؤ''۔ (شرح العمدہ) اس حدیثِ پاک سے سیدھے طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہ میں امامت اور مؤذنی ایک اعلیٰ اور شرف والا عمل تھا اسی وجہ سے آپؐ نے ایک صحابی کو اس کی تلقین فرمائی۔ ایک دوسری حدیث جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ''تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ڈھیر پر ہوں گے: ایک وہ جس نے اللہ کے اور اپنے غلاموں کے حقوق ادا کیے ہوں گے، دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور اس کے مقتدی اس سے خوش رہے اور تیسرا وہ شخص جس نے روزانہ پانچ وقت لوگوں کو نماز کی دعوت دی''۔ یعنی جو اذان دیا کرتا تھا، اس حدیثِ پاک سے تو اور بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ امامت اور مؤذنی اللہ کے نزدیک موقر عمل ہے اور دونوں قسم کے لوگوں کے لیے اللہ کی خاص رحمت و مہربانی مقدر ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''محشر کے دن مؤذنین کی گردنیں سب سے لمبی ہوں گی''۔ یعنی وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں نمایاں ہوں گے اور بآسانی پہچانے جاسکیں گے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ ''اگر لوگوں کو پہلی صف میں نماز پڑھنے اور اذان دینے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو قرعہ اندازی کی نوبت آجائے گی''۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خاص طور پر امام اور مؤذن کے لیے رشد و مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

ان فضائل کے ساتھ ساتھ امام اور مؤذن کی اپنے مقتدیوں اور عام مسلمانوں کے تعلق سے مختلف ذمہ داریاں بھی ہیں جنہیں کما حقہ ادا کرنا ضروری ہے، تبھی وہ اس اجر و ثواب کے حقدار ہو سکیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ محترم مولانا عبدالحفیظ ایلولوی ائمۂ مساجد کی علمی، فکری، تربیتی موضوعات پر ائمہ کی رہنمائی کے لئے ایک قیمتی کتاب مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں بڑی جاں فشانی کے ساتھ قرآن و حدیث اور اکابرامت کی تحریروں و افادات کی روشنی میں ائمۂ کرام کی رہنمائی کے لئے نہایت قیمتی باتیں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ہر مسجد کے امام کے پاس ہونی چاہئے تاکہ وہ اس سے استفادہ کر کے اپنی مسجد میں مقتدیوں کی دینی و فکری رہنمائی میں اس سے مدد لے سکیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیتِ تامہ و عامہ عطا فرمائے اور مرتب کے لئے دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

دعاء گو

(مولانا) اسرار الحق قاسمی

ممبر آف پارلیمنٹ و صدر آل انڈیا تعلیمی و ملی فاؤنڈیشن

خادم (مولانا) خورشید احمد 9818893994 / 9013180352

مختصر فہرست (حصہ دوم)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ''نہج الائمۃ فی اصلاح الامۃ'' کا حصہ اول ابھی ابھی منظر عام پر آ کر دلوں میں جگہ بنا کر آپ ائمہ حضرات کو مسوٴلیت و ذمے داری کی مشکل منزل، پر بلند مقام پر چھوڑ گیا ہے اور اس انتظار میں چھوڑ گیا ہے کہ کوئی راستہ ہو جس سے اس ذمے داری کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں، کیوں کہ آپ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے اس طرح بے چین و بے قرار ہیں جس طرح ایک مزدور سر پر اٹھائے بوجھ کو اتارنے کے لیے بے قراری سے منزل کا منتظر ہوتا ہے۔

تو ادھر دیکھئے ہم آپ کی اس بے قراری میں ہاتھ بٹانے اور آپ کے دوش ناتواں کو سبکدوش کرانے کے لیے کتاب کا حصہ دوم ''**طریقہ کار اور اصلاحی مرتب درجات**'' لے کر منتظر کھڑے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ائمہ حضرات اس کا ''بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا'' کہہ کر خوب استقبال کریں گے اور کتاب میں بیان کردہ طریقہ اصلاح کو اپنا کر بہت جلد معاشرے پر اصلاحی پکڑ کو مضبوط کر کے عنداللہ کھویا مقام پانے کا مقام بنائیں گے۔

آپ ائمہ حضرات اس حصہ دوم میں بیان کردہ طریقہ اصلاح کو پڑھ کر اور اپنا کر خود فیصلہ فرمائیں کہ کتاب ''**نہج الائمۃ فی اصلاح الامۃ**'' اصلاح امت میں ائمہ کا طریقہ کار کس قدر اسم بامسمی ہے! اور اسے بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ آج تک کس قدر تعطل حیات کے شکار تھے اور عندالناس کیسے ''رسمی مقام'' کے حامل تھے اور اب کام کے بعد معاشرے میں پاکیزہ اس مشغلے سے کس قدر معطر ہو کر عندالناس و عنداللہ حقیقی مقام بنانے جا رہے ہیں!!

ہمیں پورا یقین ہے کہ اس حصہ دوم کی روش سے ان شاء اللہ آپ اونچی شخصیت کے مالک بنیں گے، اور اب آپ معاشرے اور امت کے حق میں صحیح قائد وامام بنیں گے۔ پھر آپ بزبان آپ کی قوم ''مفکر وحکیم'' ہیں اور ''مصلح وہادی'' بھی، آپ کا تذکرہ ان کی پرائیویٹ مجلسوں ''میٹنگوں'' میں کیا جائے گا شرط یہ ہے کہ آپ ان کو کام کر کے بتائیں۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ''۔

عبدالحفیظ بن عبداللہ ایلولوی

ہمت نگر، سابرکانٹھا، گجرات

(خادم التدریس جامعہ حسینیہ راندیر۔سورت)

99746 04855

باب: طریقہ کار اور اصلاحی مرتب درجات

فصل اول: طریقۂ کار برائے ائمہ

یہ بات ذہن نشین ہو کہ آج اصلاح و تربیت کا نہج چھوٹ بھی چکا ہے اور بدل بھی چکا ہے۔ جس سے اصلاح نظر نہیں آتی۔ جب تک ہمارا انداز تربیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انداز تربیت میں نہیں ڈھلے گا لوگوں کی صحیح تربیت اور معاشروں کی صحیح اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ ہم آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انداز تربیت اور اصلاح کا منہج بتائیں گے۔ پہلے آپ خاکہ ذہن نشین فرمالیں۔

اصلاح کی مختلف جہتیں ہیں اور ائمہ کے ناتے مختلف درجات بھی یعنی صلاحیت کے ناتے ائمہ کی مختلف قسمیں بھی ہیں۔ مثلاً

اصلاح کی مختلف جہتیں

●	انفرادی اصلاح	●	اجتماعی اصلاح
●	مسجدی اصلاح	●	خارجی اصلاح
●	معروفاتی اصلاح	●	منکراتی اصلاح

ائمہ کے ناتے اصلاحی درجات

●	بالکل ابتدائی درجہ اصلاح
●	درمیانی درجہ اصلاح
●	نصابی درجہ اصلاح

(۱) بالکل ابتدائی درجۂ اصلاح

یہ ان ائمہ حضرات کے لیے ہے جو آج تک کسی طرح بھی اصلاحی جہت کی طرف توجہ کر نہیں پائے تھے اور نہ مقتدیوں میں ان کا کوئی مقام باقی رہا تھا۔ انہیں چاہیے کہ وہ درج ذیل اصلاحی طریقوں کو مرتب انداز میں بروئے کار لائیں۔ اور یہ خیال ہرگز نہ ستائے کہ بعض ائمہ صلاحیت سے ہی محروم ہوں گے، پھر وہ کیسے اصلاحی طریقوں کو انجام دیں گے۔ اس کا حل (جواب) آگے ہے۔

مسجدی اصلاح		خارجی اصلاح	
الف :	پہلے انفرادی اصلاح	الف :	پہلے انفرادی اصلاح
ب :	پھر اجتماعی اصلاح	ب :	پھر اجتماعی اصلاح

بالکل ابتدائی اصلاح کا آغاز مسجد سے ہو اور وہ بھی انفرادی۔ کیوں کہ مسجد میں امام کا (بمقابل خارج مسجد) نمایاں ایک مقام ہوتا ہے جسے ہر شخص جانتا ہے جو اصلاح کا راستہ ہموار کرے گا، پھر خارج مسجد۔ ہم آپ کو آگے اس کی کچھ مثالیں بھی بتاتے ہیں اور سب سے بڑی الجھن (کہ مقتدیوں میں اس کا مقام بھی نہیں رہا) کا حل بھی بتاتے ہیں۔

الجھن کا حل : آپ کسی دوسرے عالم صاحب کو یا کسی دوسری مسجد کے امام صاحب کو بلوا کر ان سے نماز پڑھائیں، وہ نماز کے سلام کے بعد قبل الدعا کھڑے ہو کر دس منٹ گفتگو کریں، جس میں وہ

الف : مقتدیوں کے سامنے اصلاح کی ضرورت پیش کریں۔

ب : نمازیوں کو امام کا مقام و رتبہ بتائیں۔

ج : شرعاً امام پر مقتدیوں کی اصلاحی ذمہ داری ہونے کو بتائیں، ایسی ذمے داری کہ وہ سب کے سامنے منکر پر ٹوک سکتا ہے۔

د : سیرت نبویہ سے اصلاح کی مثالیں بتائیں۔ (حصہ اول میں موجود ہیں، سیرت طیبہ پر ایک نظر)

وہ عالم یا امام صاحب کسی نماز کے بعد دس یا پندرہ منٹ خطاب کریں، ایسا ہفتے میں دوبار کریں۔ اور ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ مذکورہ بالا طریقہ سے ان شاءاللہ مقامی امام کا ایک مقام مقتدیوں کے یہاں قائم ہوگا۔ پھر مقامی امام صاحب دھیرے دھیرے از خود کام کو ذیل کے مطابق انجام دینا شروع کریں۔

۱۔ مسجدی انفرادی اصلاح

آپ مقتدیوں کو جو کام مسجد میں خلاف شرع وسنت کرتے ہوئے دیکھیں آپ ان کی نرمی وحکمت سے اصلاح کریں۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے بل کہ آپ کا حق بھی۔

(۱) قبل الجماعت اصلاح: مثلاً کسی مقتدی کا وضو میں فرض ادا نہ ہو، پانی میں اسراف کر رہا ہو، سنتیں چھوڑ رہا ہو، یا سنت پڑھتا ہو لیکن اس کے افعال برابر ادا نہ کرتا ہو۔

(۲) بعد الجماعت اصلاح : سنتوں کو چھوڑ کر جا رہا ہو، خلاف سنت وشرع لباس میں نماز پڑھی ہو، احترام مسجد کے خلاف کام کر رہا ہو وغیرہ۔ کیا کوئی بھی امام اپنے مقتدیوں کی اس طرح کی انفرادی اصلاح کی صلاحیت سے محروم ہوگا؟ ہرگز نہیں، یہ تو ہر امام بل کہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس طرح کی اصلاح پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت صرف ہوئی ہے۔ لہٰذا عدم صلاحیت کا خیال ہرگز نہ لائیں۔

انفرادی اصلاح کے مؤثر اقدامات

(الف) : بعض افراد کو موقع اور غلطی کے لحاظ سے فی الفور بھی اصلاح کر سکتے ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض مرتبہ (افراد اور غلطی کو دیکھ کر) براہِ راست بھی اصلاح فرماتے تھے۔ مثلاً وہ آپ کا عقیدت مند ہو، کہ وہ آپ کو جھک کر سلام کرے، یا آپ کے سلام کا جواب غلط تلفظ سے دے۔

(ب) : بعض دفعہ غلطی کرنے والا اصلاح کا متحمل ہوتا ہے کہ آپ اصلاح کریں تو وہ مان لے، لیکن وہ جگہ جہاں غلطی صادر ہوئی ہے وہ محل اصلاح نہیں ہوتی ۔ بل کہ ضرورت ہوتی ہے کہ آپ اسے اپنے گھر لاکر چائے پلا کر یا اس کی چائے پی کر اصلاح کریں۔

حدیث شریف کا خلاصہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کے (مخصوص) کمرے میں پڑھی جب امام نے نماز ختم کی تو حضرت سائبؓ سنتوں کے لیے فوراً کھڑے ہوگئے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو دیکھ لیا لیکن اس وقت ان کو کچھ نہ کہا جب وہ اپنے گھر چلے گئے تو انہوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت سائبؓ کو کہلوایا کہ آئندہ اس طرح (فرض سے متصلاً سنت) نہ پڑھنا جب تک بات چیت نہ کرلو یا مسجد سے نہ نکل جاؤ۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ ہم (فرض) نماز کے ساتھ دوسری نماز (نفل) کو نہ ملائیں (مشکوٰۃ ۱۰۵)۔ دیکھئے حضرت معاویہؓ نے حضرت سائبؓ کی اصلاح، غلطی واقع ہونے کی جگہ نہیں فرمائی۔

(ج) : بعض دفعہ کھانے کی دعوت سے یا ہدیہ دے کر یا اس کے کسی اچھے کام کو

سراہنے سے یعنی اسکی عزت نفس کا خیال کر کے اصلاح کرنا مفید ہوتا ہے۔

(د) : بعض دفعہ براہ راست نہیں بل کہ اس کی بیوی بچوں ، والدین ، دوستوں وغیرہ کو ذریعہ بنا کر اصلاح مفید ہوتی ہے۔

(ھ) : بعض دفعہ اس پر واقع کسی مصیبت میں سہارا بننے سے یا اس کی خوشیوں میں شریک ہونے سے بھی اصلاح کی جاتی ہے۔اس طرح سے اصلاح کرنا سیرت سے ثابت ہے۔آپ کی اصلاح کا حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وفات میں بھی آپ کی امت آپ کی قبر شریف کو سجدہ گاہ نہ بنائے تنبیہ وتاکید فرمائی ہے (مشکوٰۃ ۶۹)۔

۲۔ مسجدی اجتماعی اصلاح

اجتماعی اصلاح یہ صرف مسجدی امور سے متعلق ہو خارجی امور کو ابھی نہ چھیڑا جائے۔

سب سے پہلے اعمال مساجد کی نمازیوں میں مذکورہ طریقہ (مصلیٰ پر قبل الدعا کھڑے ہو کر) پر اصلاح کرنا ہے۔مثلاً کوئی نماز کے لیے دوڑ کر آئے۔۔۔۔مسجد میں دنیوی بات کرے۔۔۔وضو میں اسراف کرے۔۔۔اذان واقامت میں غلطی کرے۔۔۔قومہ وجلسہ اور رکوع وسجدہ کو ٹھیک سے نہ کرے۔۔۔ناقص لباسوں میں نماز پڑھے۔۔۔تحریمہ کو عجلت سے باندھے۔۔۔نمازی کے آگے سے گذرے۔۔۔اقامت کے وقت پیچھے یا اِدھر اُدھر دیکھے۔۔۔بیت الخلاء کو گندا چھوڑے۔۔۔لائٹ کو فضول استعمال کرے۔۔۔وغیرہ

جب اعمال مساجد کی اصلاح سے لوگ تاثر لیں اور اچھی نظروں سے دیکھیں (جس کے لیے میٹھا لہجہ حقیقی خیر خواہی اور علمی زبان درکار ہے) تو اب اس کے بعد انفرادی (خارج مسجد اور اندرون مسجد) اصلاح شروع کریں۔

اجتماعی اصلاح کے دو مقام ہیں۔

(۱) نماز کے سلام کے بعد قبل الدعا کھڑے ہو کر اصلاح فرمائیں۔ مثلاً نماز کے لیے دوڑ کر نہ آئیں۔ بچوں کو صف میں کھڑا نہ کریں، جماعت پانے کے لیے تھوڑا جلدی آیا کریں۔

(۲) قبل التحریمہ اقامت کے بعد بھی اصلاح فرمائیں۔ مثلاً صف سیدھی کریں، پائجامہ اونچا کریں، صف پوری کریں، موبائیل بند کریں وغیرہ۔

آپ ابھی اس طرح روزانہ نہ کریں ہفتے میں دو تین بار کریں۔ یقین جانیے جب آپ گھبراتے گھبراتے بھی مذکورہ بالا اصلاحیں کر لیتے ہیں تو سمجھئے آپ کو مقتدیوں نے اپنا امام مان لینا شروع کر لیا ہے۔ آپ ایک دو ماہ گاہے گاہے اس طرح کرتے رہے تو اب آپ مسجد سے خارج معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اس میں بھی ترتیب ملحوظ رکھیں پہلے انفرادی اصلاح پھر اجتماعی اصلاح۔ اس اصلاح کا ثبوت شریعت سے ہے وہ ملاحظہ ہو۔

مشروع ومسنون طریقۂ اصلاح

آپ کو مذکورہ بالا اصلاحی طریقوں کو اختیار کرنے میں گھبرانا بالکل نہیں چاہیے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تربیت اور نہج اصلاح یہی ہے ملاحظہ ہو۔

(الف) بعد السلام اصلاح

(الف) ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز کافی تاخیر سے پڑھائی اور ہلکی بھی پڑھائی، جب سلام پھیرا تو بلند آواز سے فرمایا ''جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات ارشاد فرمائی جو مقصود تھی (مشکوۃ ۱۷)۔

(ب) حدیث شریف میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی جب نماز پڑھا چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا اے لوگو میں تمہارا امام ہوں تم مجھ سے رکوع اور سجدہ کرنے میں سبقت نہ کرنا اور نہ قیام میں اور نہ نماز کے ختم کرنے (سلام) میں (مشکوٰۃ ۱۰۱)۔ دیکھئے آپ نے ختم نماز کے بعد فرمایا۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ ہر امام کو امامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح کرنی چاہیے کہ وہ مقتدیوں سے افعال میں آگے رہے اور مقتدیوں کو امام کی متابعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح کرنی چاہیے۔

(ج) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، اور پچھلی صف میں ایک آدمی نے (کوئی حرکت سے) اپنی نماز کو خراب (باطل) کردی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کے بعد اس کو یہ فرما کر تنبیہ فرمائی ''یافلانُ اَلَا تتَّقِی اللہَ'' کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا (مشکوٰۃ ۷۷ عن ابی ہریرۃ)۔ ائمہ کو چاہیے کہ نماز کے بعد قبل الدعا کھڑے ہوکر اس طرح (حکمت سے) لوگوں کی اصلاح فرمائیں۔

(د) کعبۃ اللہ میں داخلہ کے بعد جب آپ باہر تشریف لائے تو بیت اللہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر فرمایا ''ھٰذِہِ القِبلۃُ'' (مشکوٰۃ ٦٧)۔ یہاں بھی نماز پڑھ کر بات ارشاد فرمائی۔

(ھ) لیلۃ التعریس کے واقعہ میں ہے 'فَلَمَّا قضَی الصلوٰۃَ قَالَ مَن نَسِیَ الصلوٰۃَ فَلیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا۔۔'' (مشکوٰۃ ٦٦)۔

اصلاح کا طریقہ صرف یہ نہیں کہ وعظ و بیان میں تنبیہ کی جائے، بل کہ اس کا اچھا اور ثابت شدہ طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد فوراً کھڑے ہوکر اصلاح کی جائے جیسا کہ روایتوں سے

ثابت ہے۔

(ب) قبل التحریمہ اصلاح

روایت میں ہے صف میں ایک شخص تھوڑا آگے بڑھا ہوا تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو درست کھڑے رہنے کو فرمایا (عن نعمان مشکوٰۃ ۹۷) بل کہ بعض روایت میں تو صف میں جا کر درست کرنے کا بھی ذکر ہے۔

(ج) منبر پر چڑھ کر اصلاح

الف : جب نہایت ہی اہم بات ہو تو منبر پر چڑھ کر بھی آپ کہہ سکتے ہیں کیوں کہ منبر ہی کی وجہ سے قباحت وممانعت کی اہمیت واضح ہوگی۔ منبر کا استعمال صرف جمعہ کے خطبہ ہی کے لیے نہیں۔ ایک شخص کھلے میدان میں برہنہ غسل کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو جمع کیا اور عام اسلوب میں اس کی سختی سے ممانعت فرمائی (عن یعلی مشکوٰۃ ۴۹)۔

ب : عن ابی هریرة... علی أعوادِ منبره (مشکوٰۃ ۱۲۱)۔

ج :عن عمارة علی المنبر قال اجلسوا (مشکوٰۃ ۱۲۴)۔

ان میں بھی منبر پر اصلاح کی ہے۔

(د) منبر پر نماز پڑھانا

حیرت کی بات یہ ہے کہ معلّم امت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم کی غرض سے نماز (صرف قیام ورکوع) بھی منبر پر پڑھائی ہے (عن سہل مشکوٰۃ ۹۹) اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی ہم آخری درجہ پر پہنچ جائیں جب کہ شروع کے درجات ہی کو کوئی نہیں جانتا۔ حالات کا تفقد بھی مصلح کے لیے از حد ضروری ہے۔ ابھی آپ پہلے دو درجوں کو اختیار کریں ۔ کیا آج اس انداز سے تربیت ہو رہی ہے؟ نہیں تو پھر شروع کیجیے۔

۳۔ خارجی انفرادی اصلاح

خارج مسجد معاشرہ میں انفرادی اصلاح سے پہلے آپ کو ایک اہم اور ضروری بات ذہن نشین رکھنی ہے۔ وہ یہ کہ آپ جب بھی لوگوں سے انفراداً و اجتماعاً جہاں کہیں ملیں تو اصلاح امت و اصلاح معاشرہ پر اپنی دلی بے قراری کا صحیح معنی میں لوگوں کے سامنے اظہار کریں حتیٰ کہ اوپر کے درجات ''مسجدی اجتماعی مواقع'' میں بھی اس کا اظہار کریں۔

مذکورہ درجات کی چیزوں پر ترغیب سے پہلے لوگوں کو اچھائیوں اور خرابیوں کا احساس اور اچھائیوں سے متصف ہونے اور برائیوں سے دور رہنے کی ضرورت کا احساس اس طرح دلائیں جس طرح کوئی شخص میلے کپڑوں کو دھونے اور بے غسل پسینہ سے تر بتر شخص غسل کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

خارجی انفرادی اصلاح کی مثالوں کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ ہر قدم اصلاح کا متقاضی ہے۔ لیکن آپ کو نرمی و حکمت وغیرہ کی ضرورت ہوگی آپ پہلے اس کتاب (حصہ دوم) کو مکمل پڑھ لیں پھر کام شروع کریں۔

۴۔ خارجی اجتماعی اصلاح

خارجی اجتماعی اصلاح کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب آپ معاشرے پر اصلاح کے لیے ٹوٹ پڑیں اور ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جائیں۔ خارجی اجتماعی اصلاح کا مطلب ابھی یہ ہے کہ آپ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے متعلقین کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں اصلاح فرمائیں۔ ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' تاکہ شریعت کی اتباع بھی ہو اور معاشرے کے لیے آپ کا نمونہ بھی تیار ہو۔ پھر اجنبیوں کی اصلاح ہو۔ کیا اصلاح؟ کس چیز میں؟ ان کو اور ان کی مثالوں کو بتانے

کی ضرورت نہیں اندھیروں میں بھی ان کی مثالیں نظر آتی ہیں اور ایک طرف اختصار بھی ملحوظ ہے۔

(۲) درمیانی درجۂ اصلاح

درمیانی درجۂ اصلاح میں ائمہ حضرات خود ''ابتدائی درجے کو پڑھ کر'' اپنا صحیح اندازہ لگالیں کہ اس ابتدائی درجات کے مطابق کام انجام دے رہے ہیں یا نہیں۔

اگر نہیں تو پہلے وہیں سے آغاز کریں۔ اور اگر اصلاح تو کرتے تھے لیکن اس طرح منظم و مرتب طریقے پر نہیں جو ''ابتدائی درجہ'' میں مذکور ہے بل کہ کیف ما اتفق انجام دیتے تھے تو اب آپ کو چاہیے کہ آپ بھی اس ذکر کردہ طریقے کے مطابق کام شروع فرمائیں۔ اور ایک دو ماہ اس طرح کام کے بعد ذیل کے ''درمیانی درجے'' تک پہنچ جائیں۔

۵۔ مسجدی و خارجی اصلاح

الف :	انفرادی اصلاح۔	ب :	اجتماعی اصلاح۔
ج :	معروفاتی اصلاح۔	د :	منکراتی اصلاح۔

پہلے مسجدی انفرادی و اجتماعی اصلاح فرمائیں۔ پھر خارجی انفرادی و اجتماعی۔ پھر معروفاتی و منکراتی۔ درمیانی درجۂ اصلاح کے ائمہ حضرات کے لیے خاص اصلاحی جہت یہ ہے۔

الف :	معروفاتی خارجی	ب:	منکراتی خارجی

معروفاتی کا مطلب یہ ہے کہ کیف ما اتفق جو جو جس جس وقت کے کار خیر کسی سے چھوٹتے نظر آئیں اس کی ''عام اسلوب میں'' لوگوں کو ترغیب دی جائے۔ اور منکراتی کا مطلب بھی وہی کہ جس وقت جس کسی سے جو کار بد نظر آئیں اس سے ''عام اسلوب میں'' روکا جائے

انفراداً بھی روکا جائے بل کہ ''روبرو بھی''، لیکن طریقہ سمجھ لیں۔

■ __طریقہ یہ ہے کہ:__ اس انداز سے روکیں کہ لوگوں کو منکر کی قباحت بھی سمجھ میں آجائے اور ناگوار بھی نہ ہو، کہتے ہیں ''سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' مطلب پسند کے راستے سے روکیں، نفرت کے راستے سے نہ روکیں۔ جس طرح کڑوی دوا کیپسول میں دی جاتی ہے تاکہ مریض کو ناگوار نہ ہو، لیکن بیماری کا احساس ہوجاتا ہے۔ آپ کیپسول والا نسخہ اختیار کریں۔ کیوں کہ شیطان بھی ان کو پسند کے راستے سے ہی بہکاتا ہے۔ ''وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَھُمْ''۔

یاد رکھیے جب تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مذکورہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے تب تک اصلاح ممکن ہی نہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تربیت یہی تھا۔ اس کے بغیر لوگ اپنی عادتوں اور طبیعتوں کو نہ چھوڑیں گے۔ ۳۰/۴۰ سال پہلے قوم کے باوقار اور معاشرے کے عریف حضرات کسی کو کوئی برائی کرتے دیکھتے تو علی الاعلان ٹوک دیتے۔ مانا کہ انحطاط کا دور ہے عوام نہ کریں لیکن صاحب منصب (امام) بھی نہ کرے پھر اصلاح ہوگی کیسے!!!

⬟ نوٹ: منکراتی اصلاح کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بھرے مجمع میں کسی کو ٹوکیں ابھی آپ اس مقام پر نہیں پہنچیں، وہ مقام ''نصابی درجۂ اصلاح'' میں آنے والا ہے آپ ابھی اس کا انتظار کریں۔ لیکن پہلے یہ کتاب ''حصہ دوم'' پوری ضرور پڑھ لیں۔

(۳) نصابی درجۂ اصلاح

الف :	معروفاتی اصلاح	ب :	منکراتی اصلاح

یہ اصلاح نہج نصاب کتاب اختیار کریں۔

اس درجے میں اصلاحی کارنامہ انجام دینے کی پوری راہ نمائی کے لیے الحمدللہ پورا

نصاب تقریباً ۶۰/۷۰ صفحات پر مشتمل مرتب کیا ہے۔جس میں دو فصلیں ہیں۔

ایک اصلاحی مرتب درجات معروفات۔

دوسری اصلاحی مرتب درجات منکرات۔

پہلے کے دو درجات کو پورا کرنے کے بعد ہی اس درجے میں قدم رکھیں۔اس درجہ میں بہت اہم چیزیں ہیں مثلاً :حکمت کی نظیریں۔۔۔اصلاح میں قابل توجہ امور۔۔۔طریقۂ کار اور اس کی تدابیر۔۔۔ائمہ کی صلاحیت کے ناتے قسمیں۔۔۔ائمہ کے کام کا جائزہ۔۔۔ اصلاح خواتین وغیرہ وغیرہ۔

⬟ **نوٹ :** مرتب درجات معروفات ومنکرات سے اصلاح کے درمیان جن کا بیان ابھی آرہا ہے ان کے علاوہ دیگر معروفاتی ومنکراتی امور کی اصلاح کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائیں جو معین اوقات میں ہر سال گردش کرتے ہیں۔مثلاً۔

معروفاتی امور : روزہ،تراویح،حج،قربانی۔۔۔۔وغیرہ

منکراتی امور : محرم میں تعزیہ سازی اور ماتم پرسی،ربیع الاول میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،مکرسکرانتی (پتنگ سازی پتنگ بازی) اور دیوالی،ہولی۔۔۔وغیرہ۔

طریقۂ کار : ان امور کے اوقات سے ۲/۳ ہفتے پہلے جمعہ کے خطاب میں مؤثر انداز سے معروفات کی ترغیب دیں اور منکرات پر نکیر کریں۔اور ساتھ ہی معاشرے کے باوقار افراد کی جماعت بنا کر انفرادی ملاقات سے ذہن سازی بھی کریں۔جب تک مذکورہ دونوں طریقوں سے کوشش نہیں کی جائے گی تب تک خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا لہٰذا ذہن سازی کی انفرادی محنت بھی ضروری سمجھیں۔

فصل دوم: اصلاحی مرتب درجات معروفات

علمائے کرام (ائمہ حضرات) انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور وارث کا وہی کام ہوتا ہے جو اس کے مورث کا تھا لہٰذا وارث ہونے کے ناتے اپنے پر عائد ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دیں جس کے لیے ہم نے دو فصلیں قائم کی ہیں۔ اگر انہوں نے ان کے مطابق اصلاح ناس و اصلاح معاشرہ میں روش اختیار کی تو ان شاء اللہ معاشرہ اصلاح و سدھار کی راہ پر پڑ جائے گا اور امید ہے کہ ہماری یاس آس سے بدل جائے۔ پہلے ضروری امور۔۔۔

طریقۂ اصلاح میں قابل توجہ امور

(الف) فکر صحیح ہو اور طریقۂ اصلاح بھی صحیح ہو۔

کسی فکر و عمل کو لوگوں میں لانے اور رائج کرنے کے لیے کامیاب اصول یہ ہے کہ آپ کی فکر درست ہو اور کام کا طریقہ بھی درست ہو۔ آپ کو درست فکر اور درست عمل دینے کے لیے ہی ذیل میں کچھ باتیں پیش کی گئیں ہیں اگر اس کے مطابق کام ہوا تو ان شاء اللہ امید ہے کہ آپ اپنی منزل پر پہونچیں گے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ نے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی سے دین کی کوئی خدمت لے لیں اور اسے قبول فرمالیں تو اس کا فائدہ اس کی سات پشتوں تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی سے دین کا نقصان ہو جائے تو اس نقصان کا اثر بھی سات پشتوں تک پہنچتا ہے۔ (مظاہر حق)۔ بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے کہ آدمی اپنی معمولی خواہش کے خاطر اپنے دین کا اور اپنی نسلوں کے دین کا کتنا بڑا نقصان کر جاتا ہے۔

(ب) اصلاح میں خدائی نصرت کا یقین ہو۔

اصلاحی کام میں آپ یہ نہ سوچیں کہ میں تنہا کیا کروں اور کیسے کروں؟ اور اتنے بڑے کام کے لیے ہمت کہاں سے لاؤں؟ کیوں کہ آپ تنہا نہیں آپ کے ساتھ آسمان وزمین کا پروردگار رہے۔ کام اس کا انجام دیں اور آپ اکیلے ہوں یہ کیسے ممکن ہے؟ "اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" کا منظر یاد کیجئے۔

آپ پہلے دو باتیں ذہن نشین فرمالیں: ایک یہ کہ کام کا پختہ ارادہ آپ فرمالیں، کہ ان شاء اللہ مجھے منصب امامت سے اصلاح معاشرہ کا کام ضرور انجام دینا ہے چاہے جس قیمت پر ہو۔

اگر آپ اس کام کے لیے اپنے کو (تواضعاً) نااہل پائیں تو فکر کی کوئی بات نہیں (احساس تو یہی ہونا چاہیے) ارادہ کی پختگی سے اللہ تعالیٰ اہل بنادیں گے اور اگر پہلے سے ہی اہل ہیں تو اب آپ ان شاء اللہ اہل اللہ کی منزل پر پہونچیں گے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک امام صاحب آئے، اور کہنے لگے حضرت امامت چھوڑ دینا چاہتا ہوں حضرت نے پوچھا کیوں؟ تو کہا کہ میں اپنے کو امامت کا اہل نہیں پاتا فرمایا تب تو تم امامت کرتے رہو، اور جب یہ خیال آجائے کہ میں اس کا اہل ہوں تو چھوڑ دینا (العلم والعلماء)۔

دوسری بات یہ کہ یہ کام آپ کو نہیں کرنا ہے، کام تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کرے گی، آپ تو صرف کام کی ظاہری شکل اور اس کے وہ اسباب اختیار کریں گے جو آپ کے بس میں ہیں۔ جب آپ اپنے بس کا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بس کا (پورا کرنا) کریں گے۔ کیوں کہ وہ قادر مطلق اور فعال لما یرید ہیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اب لوگوں کو حج کے لیے آواز دو (وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا باری تعالیٰ میری آواز سب تک کیسے پہونچے گی؟ ارشاد ہوا اے خلیل آواز لگانا آپ کا کام ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے باپ کے اصلاب تک اسے پہونچایا۔ اور ایسا پہنچایا کہ آج تک حاجیوں کا سلسلہ قائم ہے (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ۴۱۹)۔ بس اس سے یقین حاصل کرتے ہوئے کام شروع فرمائیں، اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے تکمیل تک پہچائیں گے۔ بل کہ آپ کی مزید ہمت کے لیے عقائد کا ایک امر ''معونت'' ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ جس معونت سے آپ کے ارادہ میں تقویت حاصل ہوگی۔

عقیدۂ معونت سے تقویت

کتب عقائد میں نبی کے معجزہ اور ولی کی کرامت کے ضمن میں معونت کا بھی ذکر آتا ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ خلاف دستور خلاف عادت کوئی معاملہ ظاہر فرمائیں یعنی کھلی مدد کریں۔ جیسے شق القمر کا معجزہ۔ اور اگر ایسا کسی ولی کے ہاتھ ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری بھی چیز ہے جس کو معونت کہا جاتا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک جس طرح معجزہ اور کرامت حق ہے اس طرح معونت یعنی مدد بھی حق بمعنی ثابت اور یقینی ہے اور معونت اسی مذکورہ طرح کی وہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جو کسی عام مومن یا بہت سارے مؤمنین کے حق میں ظاہر ہو۔ یعنی معونت کے لیے تو ولی ہونا بھی شرط نہیں بل کہ عام مومن عام مسلمان کے حق میں بھی خلاف عادت ''معونت'' ظاہر ہوتی ہے ہاں

اتنی شرط ہے کہ وہ فاسق نہ ہو۔ ’’ ثالثھُما المعونۃُ لِعوامِ المؤمنینَ مِمّن لِیُسَ فَاسِقاً وَلَاوَلِیّاً‘‘۔ (حاشیہ محمد برخودار نبراس ۴۳۰)۔اور حاشیہ میں ہے ’’ وَقَد یظھرُ الخوارِقُ مِن قِبلِ عوامِ المسلمِیْنَ تخلِیصاًلھم عَنِ الْمِحَنِ وَالمکارِہِ وتسمیٰ مَعُونۃً‘‘۔(شرح عقائد ۱۰۵۔ ح ۱۲)۔

جیسے آپ نے ملاحظہ کیا کہ معونت تو عام مؤمن کے حق میں ہوتی ہے، جب کہ آپ تو الحمدللہ پابند شرع اور اچھے خاصے ایمان واعمال سے متصف ہیں اور جو کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ تو عین اللہ کا مقتضیٰ ہے اور اس کو محبوب ہے پھر آپ کی مدد کیوں نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی اس لیے کہ یہ عقیدہ، عقیدہ کی حد تک کے لیے نہیں ہے بل کہ اس لیے ہے کہ اسے واقعہ اور حقیقت بنایا جائے اور زندگی میں اسے حاصل کیا جائے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس یقین کے ساتھ کام انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مدد کتنی قریب ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عالم اسباب میں جہاں افعال کی نسبت اسباب اور بندوں کی طرف ہوتی ہے، لیکن کبھی کبھار اللہ تعالیٰ بندوں میں اپنے یقین کو مضبوط کرنے اور اسے بڑھانے کے لیے خلاف دستور ان کی نسبت خود اپنی طرف کر دیتے ہیں۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی مٹھی لی اور ہمارے سامنے آکر اسے ہم پر پھینک دیا اور فرمایا تمہارے چہرے بگڑ جائیں اس پر ہمیں شکست ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ’’ وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ‘‘ (انفال ۱۷)۔اور آپ نے خاک

کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی لیکن وہ اللہ نے پھینکی تھی ۔ جنگ بدر تک حضرت حکیم مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔

اسی طرح ''فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ '' اور ''اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡا اِلَيۡکُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَکَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡکُمۡ '' (مائدہ ۱۱)۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی کے فعل کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کر کے یقین دلا دیا کہ ہم ہی ان کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ مذکورہ باتیں اگر ذہن نشین کرلی ہوں تو اب اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے کام شروع فرمادیں۔ ان شاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ووالی ہوجائے گا ''وَمَنۡ يَّتَوَکَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ'' اور آپ اصلاح معاشرہ سے ضرور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرسکیں گے۔

(ج) نتیجہ نہ پانے سے مایوس نہ ہوں

ہم صرف اصلاحی امور انجام دینے کے مکلف ہیں، نتیجہ کے مکلف نہیں اگر اصلاحی اثرات نہ دیکھیں تو مایوس نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''طبیعت مایوسی کی طرف زیادہ چلتی ہے، کیوں کہ مایوس ہوجانے کے بعد آدمی اپنے کو عمل کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور پھر اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا، خوب سمجھ لو یہ نفس اور شیطان کا بڑا کید ہے۔ (ملفوظات ۱۰۲)۔

(د) گنہگاروں سے حسن ظن ہو

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے۔ ''تبلیغ میں کام کرنے والوں کو اپنے قلب میں وسعت پیدا کرنا چاہیے، جو اللہ کی وسعت رحمت پر نظر رکھنے سے پیدا ہوگی''۔ حدیث شریف میں ہے ''ظُنُّوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ خَيۡرًا '' اور اِنَّ حُسۡنَ الظَّنِّ مِنَ الۡعِبَادَةِ ''۔ (

ملفوظات ۱۴۶، ۵۰)۔

(ھ) حکمت وموعظت حسنہ کالحاظ ہو

اصلاح معاشرہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں حکمت اور موعظۂ حسنہ سے کام لینا ہے۔ قرآن نے ہمیں ان کی ہدایت دی ہے ''اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ'' (نحل ۱۲۵)۔ کہ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلائیں اور (اگر ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کی نوبت پیش آجائے تو) ان کے ساتھ جدال (مباحثہ) احسن اختیار کیجئے۔

سبیل ربک ایسا عام لفظ ہے جس میں ایمان واسلام، دین وقرآن، ہدایت ورسول اور آخرت واعمال صالحہ کی طرف اور منکرات سے بچانے کی طرف بلانا سب ہی شامل ہیں۔

اس آیت شریفہ میں دعوت الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے حکمت کو رکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام وکلام لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں ہے، بل کہ حکمت وتدبیر سے مناسب وقت مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لیے قبول کرنا آسان ہوجائے۔

دوسری چیز موعظت ہے۔ جس کے معنی ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ نیک کام کی طرف بلانے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لیے ضروری ہے کہ جو کلام کرے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز موعظت کے ساتھ حسنۃ کی قید ہے۔ اس میں اشارہ ہے عنوان کو نرم اور دل نشین بنانے کی طرف۔ کیوں کہ بعض اوقات کسی کو خالص ہمدردی اور خیر خواہی سے بھلائی کی

طرف بلایا جاتا ہے مگر عنوان اور لب ولہجہ دل خراش ہوتا ہے تو وہ دعوت مؤثر نہیں ہوتی اس لیے حسن کی قید لگا کر لب ولہجہ کو نرم رکھنے کی تاکید کردی۔

خلاصہ یہ کہ ہر مبلغ وداعی کے لیے ان گوشوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔جس کے لیے قرآن شریف میں ذکر کردہ انبیاء علیہم السلام کے دعوتی مضامین پر غور کرنا چاہیے۔اور معلوم کرنا چاہیے کہ نافرمانوں کو وعیدیں کس اسلوب میں پیش کی گئیں۔۔۔ان کا منھ کس طرح بند کیا گیا ۔۔۔ بشارتیں کس لہجہ میں دی گئیں۔۔۔،طریقۂ دعوت کیا تھے۔۔۔اور اس کے اسلوب کیا تھے؟ کہ یہ سب ہی دعوت کے بنیادی اصول ہیں،قرآن میں ان گوشوں پر غور کرنا چاہیے۔

(و) خلوص وللّٰہیت سے ہو

دل خلوص وللّٰہیت میں ڈوبا ہوا ہو، جذبۂ شہرت ونا موری سے بالکل خالی ہو اور حب جاہ کا شائبہ تک نہ ہوتب آپ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کے مستحق ہوں گے۔

(ز) ہمدردی اور خیرخواہی سے ہو

ان دونوں کا بیان ائمہ کی صفات حصہ سوم میں آنے والا ہے۔

حدیث مبارکہ سے ثابت شدہ طریقۂ اصلاح

بخاری شریف کے باب فضائل قرآن میں حضرت سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث ہے جس کا ہم خلاصہ نقل کرتے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ نے مختلف احکام مثلاً شراب وزنا وغیرہ کی حرمت کو نازل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وہ مفصل سورتیں نازل فرمائیں جن میں جنت وجہنم کا ذکر ہے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ، اللہ

تعالیٰ کی قدرتوں کا، اس کے انعامات وعذابات، جنت وجہنم اور حساب وکتاب کا یقین دلوں میں جم جائے۔ چناں چہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوگئے اور مقصد حاصل ہوگیا تب حلال وحرام کے احکام نازل کئے۔ اگر سب سے پہلے یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہہ دیتے ہم کبھی بھی شراب چھوڑنے والے نہیں۔ ''وَلَوْ نَزَّلَ اَوَّلَ شَيْئٍ لَاتَشْرَبُوْا الْخَمرَ لَقَالُوْا لَانَدَعُ الْخَمَرَ اَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَاتَزِنُوْا لَقَالُوْا لَانَدَعُ الزِنَا اَبَداً '' بخاری شریف (۲ /۷۴۷)۔ یعنی پہلے ذہن سازی کی گئی اور اوامر ونواہی کو قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت پیدا کی گئی پھر احکامات عائد کئے گئے تا کہ کما حقہ ان احکامات کی بجا آوری حاصل ہو۔ اس حدیث شریف سے دو باتیں بطور خاص معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک: حکم دینے سے پہلے اس حکم کو ماننے اور قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۲) دوسری: صلاحیت پیدا کرنے میں بنیادی کردار اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا بیان اور امہات عقائد یعنی حساب وکتاب جزاء سزا کا یقین دلانا۔

سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ دعوتی کام کرنے والوں کو اصول پر لانے سے پہلے ان اصولوں کی اتنی ترغیب دیتے تھے کہ لوگوں کے منھ میں پانی آجاتا حتی کہ لوگ ان اصولوں کا انتظار کرتے، جب لوگوں میں ان کی استعداد دیکھتے تو پھر اصول بتاتے جس سے لوگ ان کو اختیار کر لیتے۔

معاشرہ کی تبدیلی کیسے ہو؟

معاشرہ کی تبدیلی کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ایک پتہ کی بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بگڑے معاشرے کی اصلاح کے بارے میں لوگ یہ

سمجھتے ہیں کہ جب تک پورا معاشرہ نہ بدلے اور سب ہی لوگ نہ بدلیں تب تک میں اکیلا آدمی اپنی زندگی میں تبدیلی نہیں لاسکتا۔ یاد رکھئے نظام اور معاشرہ نام ہے چند افراد کے مجموعے کا۔ اگر ہر فرد اپنے طور پر یہی سوچتا رہے تو معاشرے میں کبھی تبدیلی نہیں آسکتی۔ تبدیلی ہمیشہ اس طرح آیا کرتی ہے کہ معاشرہ کا کوئی ایک فرد (اللہ کا بندہ بن کر) اپنی زندگی کا چراغ درست اور روشن کرتا ہے، پھر اس کو دیکھ کر دوسرا اپنا چراغ درست کرنے لگ جاتا ہے پھر تیسرا شخص اس طرح تمام لوگ۔ اس طرح افراد کے سنورنے سے معاشرہ سنورنے لگتا ہے۔

بعینہ یہی حال سنورے ہوئے معاشرہ کو بگاڑنے میں بھی ہے کہ اولاً کوئی ایک آدمی معاشرہ میں ایک برائی لاتا ہے جسے دیکھ کر دوسرا شخص بھی اس کو اختیار کرتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ برائی پورے معاشرہ پر چھا جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی معاشرہ ایک دم سے سنور جائے یا بگڑ جائے۔ لہٰذا یہ خیال کہ میں اکیلا کچھ نہیں کرسکتا نفس وشیطان کا فریب ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱/۲۷۵)۔

سب ہی جانتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو معاشرہ بگاڑ کی کتنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اس وقت اگر آپ یہ سوچتے کہ اتنا بڑا معاشرہ الٹی سمت جارہا ہے میں تنہا کیا کرسکوں گا اور آپ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے تو آج دنیا کی ایک تہائی آبادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا نہ ہوتی۔ اور ہم مسجدوں کے مصلوں اور مدارس کے مسندوں پر نہ ہوتے۔ لہٰذا ہم ائمہ حضرات اسی تبدیلی کا مبارک سہرا اپنے سر باندھنے کے لیے اپنے کو مستعد کریں۔

ایک اہم حدیث شریف ملاحظہ ہو

عن سھلِ ابن سعدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رسولَ اللہ ﷺ قالَ اِن ھذَا الخیرَ خزائِنُ ولتِلکَ الخزائِنِ مَفاتِیحُ فطوبیٰ لِعبدٍ جعلَہ اللہُ مِفتاحاً لِلْخیرِ مِغلاقاً لِلشرِّ، وویلٌ لعبدٍ جعلَہ

اللہُ مِفتاحاً لِلشرِّ مِغلاقاً لِلخیرِ۔(ابن ماجہ ۲۱)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ دین نعمتوں کا خزانہ ہے، اور ان نعمتوں کے خزانوں کے لیے کنجیاں ہیں۔ خوش خبری ہو اس بندے کے لیے جسے اللہ تعالیٰ خیر (ہدایت) کی کنجی اور شر (گمراہی) کا تالا بنا دے۔ اور خرابی ہو اس بندے کے لیے جسے اللہ تعالیٰ شر کی کنجی اور خیر کا تالا بنا دے۔

یعنی آدمی کی سعادت و نیک بختی اور اس کی کامیابی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں دوسروں کی ہدایت و بھلائی کا اور پھیلتی گمراہی کے روکنے کا ذریعہ بنا دیں۔ سچ یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں اگر کوئی شخص امت میں دین و ہدایت کی محنت سے دور رہے چاہے وہ دین پر قائم ہو تب بھی وہ لازماً شر اور گمراہی کے پھیلنے کا ذریعہ ضرور بن جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دین پر قائم رہتے ہوئے دوسروں میں دین لانے کی محنت کریں تا کہ اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ذریعہ بنائیں۔

☜ **تَنبُّه:** اصلاح میں ابتدا تو منکرات و برائیوں کو چھڑانے سے کرنا اصل ہے۔ کیوں کہ کسی کام کو کرنے سے رک جانا، اس کو کرنے کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے، نیز مفاسد سے بچنا منافع سے آراستہ ہونے پر مقدم ہے اور رذائل سے دور رہنا خوبیوں سے آراستہ ہونے سے پہلے ہوتا ہے "ان الکفَّ ایسرُ مِن انشاء الفعلِ لان اجتنابَ المفاسدِ مقدمٌ علی اِجتِلابِ المصالحِ والتّخلّی عن الرّذائلِ قبلَ التحلّی بالفضائلِ" (تعلیق الصبیح ۱/۳۳)۔

کلمۂ توحید بھی یہی سکھاتا ہے کہ اس میں پہلے شرک و کفر کی ناپاکی سے پاک کیا گیا ہے پھر توحید کی خوبی سے آراستہ کیا گیا ہے "لا الٰه الا اللّٰه" اور لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہِ میں بھی نفی مقدم ہے یعنی لَاحَوْلَ عَنْ مَعْصِیَةِ اللهِ اِلَا بِعصمةِ اللهِ، وَلَاقوۃَ لِطاعةِ اللهِ اِلَّا بَعَوْنِ

اللہ۔ عارف ربانی حضرت شیخ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک منکر کو چھوڑنا ہزار معروفات پر عمل سے مقدم اور بہتر ہے۔

لیکن حکمت کے پیش نظر ابتدا معروفات پر لانے سے کرنا ہے۔ کیوں کہ آج کل گناہوں اور خواہشات اختیار کرنے کی لوگوں کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ اگر آپ اس کو لے کر ان پر ہاتھ ماریں گے تو وہ پہلے ہی سے بھڑک جائیں گے اور آپ سے علیحدہ ہو کر رہ جائیں گے اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ کیوں کہ اس میں لوگ اپنے لیے ننگ و عار محسوس کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ان سے اچھے اعمال (معروفات) انجام دلانا چاہیں گے تو وہ اسے جلد قبول کر لیں گے لیکن اگر گناہ چھڑانا چاہیں گے تو اتنی سہولت سے قبول نہیں کریں گے۔

مفکر ملت حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمہ اللہ تعالیٰ **حضرت مولانا محمد الیاس** رحمہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عام ماحول کے خلاف مولانا محمد الیاس کی بصیرت پر یہ منکشف فرمایا کہ منکرات کو مٹانے کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک ایک منکر کے مٹانے کے درپے ہوا جائے، کیوں کہ ایک منکر کے مٹانے میں بعض اوقات عمریں گذر جاتی ہیں پھر بھی وہ نہیں مٹتا، اگر وہ مٹ بھی جاتا ہے تو وہ صرف ایک مقامی اصلاح ہوتی ہے، اور بعض اوقات ایک دوسرا منکر پیدا ہو جاتا ہے، دنیا میں اس وقت صدہا منکرات ہیں، عمریں ختم ہو جائیں تو بھی وہ سب نہیں مٹ سکتے۔

مولانا کے نزدیک صحیح طریقہ یہ تھا کہ ان منکرات سے بحالات موجودہ براہ راست تعرض نہ کیا جائے بل کہ ایمانی شعور اور دینی احساس کو بیدار کیا جائے اور معروفات کی تکثیر و ترویج کی جائے۔ یہ منکرات اپنی جگہ بغیر کسی جھگڑے کے مضمحل ہو جائیں گے۔ معروفات کا

جتنا فروغ ہوگا منکرات کو اتنا ہی زوال ہوگا۔

ایک سلیم الفطرات میواتی (میاں جی داؤد) نے جو مولانا کے خاص تربیت یافتہ تھے مجھ سے کہا کہ ایک دن میں چھڑکاؤ کر رہا تھا، سب طرف چھڑکاؤ کیا لیکن جہاں کھڑا تھا وہ جگہ خشک رہ گئی، سب طرف سے ٹھنڈی ہوائیں آئیں تو وہ جگہ خود بخود ٹھنڈی ہوگئی۔ اس وقت یہ نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ اگر اپنی ہی جگہ چھڑکاؤ کیا ہوتا اور اس کے گرد و پیش خشک رہتا تو اپنی جگہ ٹھنڈی نہ ہوتی۔ اس وقت مولانا کا یہ اصول پوری طرح سمجھ میں آیا۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۲۲۷)۔

کام کرنے کے لیے درکار حکمت کی نظیریں

اصلاحی کام کرنے والے کے لیے حکمت اختیار کرنا نہایت ہی ضروری ہے، ورنہ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہوگا۔ ہمیشہ وہ مصلح کامیاب رہا ہے جو حامل حکمت ہو۔ سو ہم آپ کے لیے حکمت کی چند مثالیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہیں تا کہ آپ کامیاب مصلح کا مقام حاصل کر سکیں۔

(۱) ایک مرتبہ ایک دیہاتی شخص مسجد (نبویؐ) میں آیا اور کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو روکنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے مت روکو بل کہ پیشاب کر لینے دو، جب پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپؐ نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ مساجد ہیں جہاں گندگی نہیں کرنا چاہیے بل کہ یہ ذکر اللہ اور نماز اور قرآن پڑھنے کی جگہیں ہیں، پھر پانی کا ڈول منگوایا اور اس پر پانی کا ڈول بہا دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ۵۲)۔

اندازہ کیجیے کہ مسجد جیسی مقدس و متبرک جگہ میں پیشاب جیسی گندی حرکت کرنا کتنا سنگین جرم اور برا کام ہے، اس پر جتنا بھی غصہ آئے کم ہے لیکن رحمت کے پیکر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر نہ مارا نہ دھمکایا صرف اتنی بات سمجھائی کہ یہ اللہ کا گھر ہے یہ عبادت کی جگہ ہے

پیشاب کی جگہ نہیں ہے۔اس طرح کی نرمی وحکمت سے لوگوں میں دینی امور لائے جاسکتے ہیں۔

(۲) ایک نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر زنا کرنے کی اجازت طلب کرنے لگا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو قریب کر کے اس طرح سمجھایا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ کوئی تمہاری ماں کے ساتھ زنا کرے اس شخص نے کہا نہیں پھر آپؐ نے فرمایا لوگ بھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کے ساتھ زنا کیا جائے، پھر آپؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے اس نے کہا نہیں تو آپؐ نے فرمایا لوگ بھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا جائے اس طرح سمجھا کر مطمئن کیا اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی اے اللہ! اس کے دل کو پاک فرما۔(مسند احمد والطبرانی)

اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ ایک امتی اپنے نبی سے زنا کی اجازت طلب کرے تو اس نبی کے غصہ کی حالت کیا ہونی چاہیے لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بغیر کسی غصہ کے حسن اخلاق سے سمجھا کر اسے مطمئن فرمایا یہ ہے کام۔آدمی جب ٹھان لیتا ہے کہ مجھے یہ کام کرنا ہے چاہے جس قیمت پر ہو تو پھر اسے کر کے ہی دم لیتا ہے۔بس اس طرح شفقت وترحم سے کام کو کام سمجھ کر کریں گے ان شاء اللہ ساری منزلیں آسان ہوجائیں گی۔

(۳) ام الفضل رضی اللہ عنہا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی) کہتی ہے کہ (ایک مرتبہ) عرفہ کے روز میرے سامنے کچھ لوگ (صحابہؓ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روزے کے بارے میں بحث کرنے لگے۔بعض کہتے تھے کہ (آج) آپ کا روزہ ہے اور کچھ کہتے تھے کہ آپ روزے سے نہیں تو (تصفیہ کے لیے) میں نے دودھ کا ایک پیالہ آپ کے پاس بھیجد یا آپ اس وقت میدان عرفات میں ایک اونٹنی پر کھڑے تھے چناں چہ آپ نے وہ دودھ (لے کر) پی لیا۔(مشکوٰۃ

شریف ۱۷۹)۔ دیکھئے لوگوں کے مباحثہ کا دفعیہ کتنی بہترین تدبیر سے کر دیا اور ثابت کر دیا کہ یا تو آپ کا روزہ نہیں تھا یا نفلی روزہ تھا تو کسی حکمت سے افطار کر کے آپ نے ظاہر کر دیا کہ روزہ نہیں۔

(۴) بعثت نبوی سے پہلے جب حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو قبائل عرب جنگ کے لیے آمادہ تھے لیکن اس شرف کے لیے بلا جنگ کسی کو ترجیح دینے کے روادار نہیں تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصل طے ہوئے تو آپ نے چادر منگا کر چار بڑے قبائل کے چار سرداروں کو چادر کا ایک ایک گوشہ پکڑا کر منتقل کروایا اور قریب آنے کے بعد اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ رکھدیا اور جنگ کو حکمت سے ٹال دیا۔ یہ تھی حکمت۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت خلیفہ کی تعیین میں انصار و مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں کچھ اختلاف ہوا۔ انصاری صحابہؓ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ طے کر چکے تھے، جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا علم ہوا تو وہ سقیفۂ بنو ساعدہ جہاں انصار جمع تھے پہنچیں، اولاً حضرت ابوبکرؓ نے حدیث ''الائمة من القریش۔۔۔۔۔'' سنائی کہ خلیفہ کا استحقاق قریش کو حاصل ہے تو معاملہ سرد پڑا۔ ورنہ مہاجرین کہتے تھے ایک امیر ہم سے ہو اور اے انصار ایک تم سے، اور انصار کہتے تھے نہیں امیر تو ہم سے ہوگا اور وزیر تم سے حتی کہ اس میں کافی قیل وقال ہوا۔

لیکن جیسے اوپر مذکور ہوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث پیش کی اور فرمایا کہ نہ مجھے اس منصب کی لالچ ہے نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی ہے کہ ایسا منصب مجھے عطا فرما اور پھر انہوں نے بجائے اپنی ذات کے خلافت کے لیے حضرت عمر اور حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کا نام پیش کر دیا۔ لیکن صاحب فراست حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر

حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور سب کو یہ کہہ کر لا جواب کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو اپنی زندگی ہی میں امام بنایا تھا لہٰذا خلافت کے مستحق وہ ہی ہیں۔ پھر دھیرے دھیرے تمام صحابہؓ بیعت ہو گئے اور معاملہ ٹل گیا۔ (نبراس شرح، شرح عقائد ۳۰۲) آپ نے غور کیا ہوگا کہ کس قدر عظیم حکمت سے بہت ہی بڑے فتنہ کو دبا یا ورنہ اغیار کہتے کہ نبی کے رخصت ہوتے ہی ان کے صحابہؓ میں عہدۂ خلافت کے لیے جنگ ہوئی جس سے تا قیامت مسلمان تاریخ میں اپنا وزن کھو دیتے۔ جزاهم اللہ عنهم اجمعين احسن الجزاء۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے انتقال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کر اس کی شکایت کر دی وہ دونوں حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ابوبکرؓ نے اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہ عمرؓ میرے پاس سے گذرے ہیں نہ انہوں نے سلام کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا واللہ میں نے سلام کیا ہے پھر بھی آپ نے جواب نہیں دیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عثمانؓ واقعۃً معذور ہیں تو حضرت عثمانؓ نے تائید کی کہ ہاں اور وہ حضورؐ کے انتقال کی وجہ سے (ایک طرف شدید حزن وغم کا سوار ہونا تھا اور دوسری طرف) دین کے بارے میں سوال کرنا تھا وہ نہ کر سکا۔۔۔ جس کی آگے تفصیل ہے۔ (مشکوۃ شریف ۱۵)۔ دیکھئے حضرت ابوبکرؓ نے کس آسانی سے مسئلہ کو نمٹایا جب کہ حضرت عمرؓ اس کو بہت بڑی حیثیت دے کر شکایت کر رہے تھے اگر چہ وہ اپنے طور پر حق بجانب تھے۔

(۷) علامہ کردی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس نواسے حضرات

حَسَنین (حسن وحسین) رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ دریائے فرات کے کنارے ایک بوڑھے دیہاتی کو دیکھا کہ اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور اس طرح جلد بازی میں نماز بھی پڑھی جس میں مسنون طریقہ کی کوئی رعایت نہیں کی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اسے سمجھانا چاہتے تھے لیکن اندیشہ یہ تھا کہ یہ شخص عمر رسیدہ ہے کہیں اپنی غلطی سن کر بھڑک نہ جائے،

دونوں حضرات اس کے قریب پہنچے اور کہا کہ "ہم دونوں جوان ہیں اور آپ تجربہ کار آدمی ہیں آپ وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کر کے دکھائیں تا کہ ہماری کوئی غلطی ہو تو آپ ہمیں بتادیں۔ انہوں نے اس کے بعد سنت کے مطابق وضو کر کے سنت کے مطابق نماز پڑھ کر دکھائی۔ جب بوڑھے شخص نے سنتوں کی رعایت والا وضو اور نماز دیکھی تو سمجھ گیا کہ اصل میں ان کی اصلاح مقصود نہیں بل کہ میری اصلاح مقصود ہے لیکن انہوں نے ادب کے خاطر یہ طرز اختیار کیا ہے تو اس بوڑھے نے اعتراف غلطی کے ساتھ اپنی غلطی اور کوتاہی سے توبہ کی اور سنت طریقہ اختیار کیا (مناقب الامام الاعظم للکردی ۱/۳۹)۔

(۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر رات کی تاریکی میں چل رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عقبہ میں تمہیں قرآن شریف کی دو بہترین سورتیں نازل شدہ نہ سکھاؤں؟ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے سورۃ فلق وسورۃ ناس سکھائیں۔ لیکن اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہیں دیکھا جب فجر کی نماز کے وقت ایک جگہ اترے تو آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں ان ہی دو (چھوٹی) سورتوں کو پڑھا اور نماز سے فارغ ہو کر (حضرت عقبہ کی طرف رخ فرما کر) فرمایا اے عقبہ تم نے کیسا پایا؟ (مشکوٰۃ شریف ۸۰)۔

تم نے کیسا پایا؟ کا ایک مطلب یہ ہے کہ اے عقبہ باوجود یکہ تم کو دو بہتر سورتیں سکھائی تھیں پھر بھی اس سے خوش نظر نہیں آرہے تھے اور اب جب کہ ان دو چھوٹی سورتوں کو فجر کی نماز میں میں نے بڑی سورتوں کی جگہ پڑھ کر اس کی اہمیت جتلا دی تو اب ان کی اہمیت و بہتری سے تمہیں خوش ہونا چاہیے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک یہ مطلب بیان کیا ہے کہ عقبہؓ رات کی تاریکی میں نکیل پکڑ کر نیچے چل رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سانپ بچھو وغیرہ سے حفاظت کے لیے یہ دو سورتیں سکھائی تھیں جن میں ہر مضر شئی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا ذکر ہے۔ لیکن عقبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقصد کو سمجھ نہ سکے اور خوش نہ ہوئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فجر میں پڑھ کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ عقبہ دیکھا تم رات کی تاریکی میں ہر مضر شئی سے محفوظ ہو کر اب صبح کی روشنی تک صحیح وسالم پہونچ گئے یہ ان دو سورتوں کی برکت تھی جو تم کو اس وقت سکھائی تھیں۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ سکھانے اور کسی عمل پر لانے کے لیے بڑی حکمت سے کام لیا کرتے تھے اور موقع کی بات حکمت سے سکھاتے اور اس کے فوائد سے باخبر کرتے۔ (مرقاۃ مشکوٰۃ شریف ۲/۲۹۸)۔

(۹) **مجدد الملت حضرت تھانوی** رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح کرنے والوں کے لیے ایک بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔ فرمایا کہ آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور آپ کو تنگ کرتا ہو تب بھی لوگوں کے سامنے آپ کی زبان پر اس کے عیوب نہیں آئیں گے بل کہ آپ چاہیں گے کہ اس کے عیوب کسی پر ظاہر نہ ہوں اور آپ اس کو تنہائی میں مناسب طریقہ سے سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ آپ اس کے عیوب جگہ جگہ گاتے پھریں۔ لہٰذا جس کی اصلاح کرنا ہے

اس کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھ کر سمجھائیں۔ یہی اصلاح کا طریقہ ہے۔ تبلیغی اکابر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے عیوب دوسروں سے اس طرح چھپاؤ جس طرح ان سے اپنے ستر کو چھپاتے ہو۔ کتنا مؤثر جملہ ہے!!

(۱۰) کبھی کبھار حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جو کرنا چاہتے ہیں اسے وقتی طور پر کرنا چھوڑ دیں۔ کیوں کہ اس وقت اس کو کرنا ہی خلاف حکمت ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کبھی مسئلہ کا حل یہی ہوتا ہے کہ اسے حل نہ کیا جائے اور اسے مسئلہ ہی نہ سمجھا جائے۔ حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ نے شورش کے زمانہ میں اہل مدارس دیوبند کو لکھا کہ اب تک تو آپ حضرات تدابیر میں رہے، اب ترک تدابیر کر کے بھی دیکھ لیں یہ نسخہ بھی بڑا مجرب ہے۔ اور اس ترک تدابیر میں اگر کوئی نقصان ہوا بھی تو اتنا نہ ہوگا جتنا تدابیر میں ہوا ہے مگر اکثر لوگ تدابیرات میں ہی لگے رہتے ہیں۔ (العلم والعلماء ۸۷)۔

بندہ کہتا ہے کہ اس کی مثال خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ثابت ہے۔ وہ ہے صلح حدیبیہ کا واقعہ کہ آپ اور آپ کے صحابہ کی کوشش تو عمرہ کی تھی لیکن کفار نے روکا اور مسئلہ کھڑا کیا تو آپؐ نے اس مسئلہ کو مسئلہ نہیں سمجھا کہ نہیں عمرہ کریں گے ہی بل کہ واپس مدینہ تشریف لے گئے تو خود بخود مسئلہ حل ہو گیا واقعہ شاہد ہے۔

(۱۱) کبھی حکمت کا طریقہ مقابلہ کا بھی ہوتا ہے۔ حضرت اقدس علامہ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی اچھا طریقہ بتلایا ہے۔ آپ نے عصری اور مذہبی تعلیم کے دو طبقوں کی اونچ نیچ کو دیکھا کہ عصری تعلیم والے بایں وجہ مذہبی تعلیم والوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس نہ کوئی مال و دولت ہے نہ ان کو تعلیمی کوئی ملازمت ملتی ہے اور نہ ان کو کوئی پوچھتا ہے تو مذہبی تعلیم والوں کو فرمایا کہ تم بھی عصری تعلیم والوں کو حقیر سمجھنا شروع کر دو کہ یہ نوح علیہ السلام کی سنت ہے جیسے کہ قرآن کا ارشاد

ہے ''اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ''

اور الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کبھی عصری تعلیم (بی،اے) کی ڈگری والوں کو بھی دیکھا ہے جن کو ملازمت نہیں ملتی یہ نوبت عربی پڑھنے والوں کی نہیں آتی۔ دیکھئے سب سے کم تعلیم اذان کا سیکھ لینا ہے اگر وہی آ جائے تو پھر روٹیوں کی کمی نہیں۔ ایک شخص عصری تعلیم (بی اے) میں فیل ہو گیا تو شرم کی وجہ سے ریل کی پٹری پر لیٹ گیا اور خاتمہ ہو گیا۔ (العلم والعلماء ۲۹۷)۔

(۱۲) اب اخیر میں ایک بات خوب ذہن نشین کر لیں کہ آپ کو منصب امامت سے کبھی فریقین میں صلح بھی کرانی پڑے گی تو اس وقت کی خاص ہدایت یاد رکھیں جس کو حضرت حکیم الامت علامہ تھانویؒ نے بتائی ہے فرمایا کہ اصلاح (صلح) کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے، اب اگر صلح کرانے میں کسی صاحب حق کو دبایا جائے تو یہ دبانا (مجبور کرنا) حکم الٰہی کے خلاف ہوگا یہ صلح نہیں۔

پس صلح کرانے کا آج کل جو طریقہ رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے حتی کہ صاحب حق کو بھی دبایا جاتا ہے یہ طریقہ درست نہیں، بل کہ صلح کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو ہی دبایا جائے۔ کیوں کہ صاحب حق کو دبانا اضرار (نقصان پہونچانا) ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بل کہ اس میں تو اس کو اضرار سے روکنا[۱] ہے۔ (العلم والعلماء ۸۵)۔

---

[۱] کام کی تدابیر کا بیان اخیر میں ہے

اصلاحی مرتّب درجاتِ معروفات

اصلاح میں اصل ابتدا تو منکرات سے ہے کما مرّ تاہم مصلحت کے پیش نظر معروفات سے مناسب ہے۔اس لیے اولاً معروفات کو بیان کیا جاتا ہے۔معروفات میں بہت سے درجات ہیں جن میں الاسہل فالاسہل کی رعایت بھی ملحوظ ہے۔

اصلاح کی دو جہتیں ہیں : ایک اجتماعی ۔دوسری انفرادی۔ ذیل میں اجتماعی اصلاح کے مرتب درجات پیش کئے جاتے ہیں۔جنہیں مدنظر رکھ کر ائمہ حضرات اصلاحی کام کو بالترتیب سبقاً سبقاً انجام دیں۔لیکن اس کے ساتھ حسب موقع انفرادی اصلاح پر بھی توجہ فرمائیں بل کہ اسی پر زیادہ تر توجہ فرمائیں۔جیسے اوپر حکمت کی نظیروں میں انفرادی اصلاحات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔

عامۃ لوگوں میں جو دینی بےفکری، بےعملی بل کہ بدعملی ایسی راسخ ہوچکی ہے کہ کتنے ہی دینی پروگرام اور دینی باتیں پینے پلانے یا سننے سنانے کے باوجود ان میں عملی قدم مفلوج نظر آتے ہیں کوئی خاص عملی تبدیلی نظر نہیں آتی ان اصلاحی درجات سے اسی بےفکری و بےعملی اور بدعملی کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

ہاں کچھ حضرات جن کا کسی دینی شعبہ سے تعلق ہے ان میں تھوڑی بہت اصلاح نظر آتی ہے۔لیکن اکثریت اس سے محروم ہے۔اگر ہم اس اکثریت کی اصلاح کرنا چاہیں تو یہ بھی ایک مشکل کام ہے کیوں کہ نہ اس کا مہذب نظام نہ اس کا مرتّب کوئی نصاب نہ اصلاح کا کسی کے پاس کوئی منصب۔تو اس بارے میں ائمہ حضرات کی راہ نمائی کے لیے ہم نے معروفات ومنکرات کا ایک خاکہ ترتیب دیا ہے جو بمنزلہ نصاب کے ہے۔کیوں کہ منصب امامت اس کے

لیے بہت ہی موزوں ہے جس کا نیٹ ورک وسیع ہے اور وہ ہر جگہ میسر بھی ہے۔ لہٰذا ائمہ حضرات درجات کو ملحوظ رکھ کر اصلاح کا کام انجام دیں ان شاء اللہ ضرور مفید ہوگا۔

ان اصلاحات میں جب قدیم اسلوب سے صرف نظر کیا جائے گا اور جدید اسلوب اختیار کیا جائے گا، تب ہی وہ اس لائق ہوں گے کہ وہ دین کے لیے کچھ جدو جہد کریں۔ کیوں کہ قدیم طرز سے بڑی سے بڑی اور عمدہ سے عمدہ بات بھی (بے فکری کی وجہ سے) ماری جائے گی۔ جس کے لیے معروفات ومنکرات کے ختم بیان پر کام کی تدابیر کو ملاحظہ فرمائیں۔

یہ درجات ترتیب صعودی سے مرتب ہیں تا کہ ائمہ حضرات کو ان مرتب درجات سے اپنی محنت کا نتیجہ معلوم ہو تو ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف منتقل ہونے میں سہولت رہے۔ کیوں کہ اگر عمومی طور پر کیف ما اتفق تمام اعمال اسلامیہ ودینیہ کی طرف دعوت دی جائے جب کہ ائمہ حضرات کو نہ اپنی محنت کا کوئی مبدا معلوم ہو نہ منتہیٰ تو نتیجہ بھی کیسے معلوم ہوگا؟ ان درجات کی ترتیب وتالیف کا خاکہ ایسا ہی سمجھیں جیسا عربی مدارس کے درس نظامی کے نصاب کا ہے۔ کہ بعینہ یہ نصاب نہ شرعاً لازم ہے نہ اس کا ثبوت بل کہ مقصود منزل تک رسائی ہے چاہے جس طریق سے بھی ہو بشرطیکہ کہ وہ طریق کسی بھی طرح خلاف شرع نہ ہو۔

پہلا درجہ

اس درجے کے مباحث پڑھنے کے بعد فیصلہ فرمائیں کہ وہ موزوں ہیں یا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ ائمہ حضرات لوگوں کو ایسے کام (معروف) کی طرف دعوت دیں جو بے حد آسان ہوں تا کہ لوگ بسہولت انجام دے سکیں۔ کیوں کہ مشکل کام ہوں گے تو ان کی رغبت کم ہو جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ ایسے کونسے کام ہیں جو بے حد آسان ہوں۔ تو آیئے ہم اس کی مثالیں

بتاتے ہیں۔

اس درجہ کی مثالیں وہ افعال (باطنہ) ہیں جن میں بغیر کسی عمل کے آدمی اجر و ثواب کا مستحق ہو۔ وہ ہے فکر حسنہ۔۔۔ اور تخیل و ارادہ۔ نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ وہ اچھے اور برے خیالات سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ نیز انسانی قوتوں میں خیال وہ سپر پاور ہے جو آنکھ جھپکنے میں فرش سے عرش اور مشرق سے مغرب تک ہر شئی کو دیکھ لیتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں اس کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ اگر اس قوت کو مسلمان کرلیا جائے تو زندگی میں زبردست انقلاب آ سکتا ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ پہلے ذہن میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے پھر دل میں اس کو کرنے کا ارادہ آتا ہے پھر اس پر آدمی عمل کرتا ہے۔

اگر خیال پاکیزہ ہے تو ارادہ اور عمل بھی پاکیزگی لیے ہوئے ہوں گے۔ اس لیے خیال کو مسلمان کرنا ضروری ہے۔ اچھی سوچ اچھی عادتوں اور بری سوچ بری عادتوں کا ذریعہ ہے۔

فکر حسنہ

آیئے ہم ذرا معلوم کرتے ہیں کہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو کس قدر فکر حسنہ کی تعلیم دی ہے! جب اذان کو مشروع کرنے کا وقت آیا تو تمام عبادتوں کی مشروعیت کے طرز سے ہٹ کر اور طرز و طریقہ اختیار کیا گیا حالاں کہ بذریعہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کلمات اذان دیئے جاسکتے تھے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور نماز کے لیے لوگوں کو مطلع کرنے اور جمع کرنے کے طریقہ کے بارے میں متفکر کیا اور رائے طلب کی کہ کیا طریقہ ہو؟ تو ہر ایک نے اپنے طور پر مختلف رائے پیش کی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا آخر تمام صحابہ رضی

اللہ عنہم متفرق ہو گئے اور اس فکر کو لے کر اٹھے۔ اس فکر کے نتیجہ میں تقریباً گیارہ صحابہؓ نے خواب میں اذان دینے والے کو اور اذان کے کلمات کو دیکھا اور سنا۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۲/۱۴۹)۔ واقعہ مشہور ہے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اس جداگانہ طرز کا مقصد صحابہؓ کو فکر کی دولت سے آگاہ کرنا تھا۔ ورنہ ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمات اذان تو آپ کو شب معراج ہی میں بتلائے جا چکے تھے۔ چناں چہ وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ ہم مقتدیوں سے غلط فکر اور بے فکری مٹا کر ان کو فکری زندگی گزارنے پر لائیں ان شاء اللہ ان کی زندگی میں انقلاب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے سامان عبرت بنائیں۔ آمین

حسن ارادہ

ائمہ حضرات مقتدیوں کو حسن نیت اور حسن ارادہ پر کھڑا کریں ان سے ابھی اچھے عملوں کی صرف نیتیں کرائیں۔ یہ اتنا آسان ہے کہ کوئی بھی شخص اس سے عاجز نہیں۔ کیوں کہ اس میں بدنی کسی عمل کی زحمت ہی نہیں اور وہ بغیر عمل کے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ مثلا بہت سے لوگ فی الحال بہت سے کاموں کی قدرت نہیں رکھتے لیکن وہ اچھی نیتیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً غرباء یہ نیت کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال عطا کیا تو سخی غنی کی طرح ہم بھی زکوٰۃ وصدقات دیں گے، حج کریں گے اور دیگر دینی مواقع میں خرچ کریں گے۔ اسی طرح کوئی نوجوان بیمار ہو جس کی وجہ سے جوان تندرست کی طرح عبادت نہیں کر سکتا لیکن وہ نیت یہ رکھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے صحت دی تو میں عبادت کروں گا۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال لکھی ہے کہ کوئی شخص مکان بناتے وقت یہ نیت کرے کہ کھڑکی اس لیے رکھتا ہوں تاکہ اس سے میں اذان کی آواز سن سکوں، کسی کی

فریاد سن سکوں اور مدد کرسکوں تو اس کو اس نیت کا ثواب ملے گا اور ہوا اور روشنی کا ملنا مفت ہوگا۔ آپ خود بتائیں کہ کیا نیت کرنے میں مال صرف ہوتا ہے یا بدنی کوئی زحمت ہوتی ہے! کتنا آسان کام ہے۔ یہی بات ایک حدیث سے بھی ثابت ہے۔ چناں چہ مرقات شرح مشکوۃ میں لَاحَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ (مشکوۃ ۳۲) کے تحت لکھا ہے کہ حسد تو حرام ہے لیکن اس جگہ حسد مجازی مراد ہے یعنی رشک اور غبطہ اور یہ جائز ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ کسی مالدار شخص کو مسجد وغیرہ بناتے وقت دیکھ کر کسی کا یہ نیت کرنا کہ کاش میرے پاس مال ہوتا جس طرح اس کے پاس ہے تو میں بھی اس طرح مسجد بنواتا۔ پھر لکھا ہے کہ یہ رشک دنیوی امور میں مباح ہے اور دینی امور میں مستحب جو بہر صورت پسندیدہ ہے جس پر اجر وثواب ہے۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۴/ ۳۳۷)۔ تو دیکھئے صرف حسن نیت پر ثواب مل رہا ہے۔

احادیث مبارکہ (۱) روایت ہے "تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ" ایک ساعت کا فکر ایک سال کی (نفلی) عبادت سے بہتر ہے۔ وذکر السیوطیؒ "فِكْرَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً" (مرقات شرح مشکوۃ ۲/ ۱۷۹)۔ ایک ساعت کا فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (۲) علامہ طیبی اور ملا علی قاری رحمہا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے "قَدْ وَرَدَ فِي مُسْنَدِ اَبِي يَعْلَى الْمُوصِلِي مَرْفُوعاً اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِلْحَفَظَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔۔۔" (مرقات شرح مشکوۃ ۱/ ۴۷)۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے ارشاد فرمائیں گے کہ میرے بندے کے نامۂ اعمال میں اتنا اتنا (یا ایسا ایسا) ثواب لکھو، تو وہ کہیں گے اے پروردگار اس بندے کا ایسا عمل جو اس نے کیا ہو ہم نہیں جانتے اور نہ اس کے دفتر میں لکھا ہوا ہے (کیوں کہ اس کو کرتے ہوئے ہم نے دیکھا ہی نہیں) تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے (کیا تو نہیں

لیکن) اس عمل کی اس نے نیت کی تھی۔ پہلی دو احادیث فکر حسنہ اور یہ حسن نیت کی فضیلت کو بتا رہی ہیں جس سے خوب واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ آدمی فکر حسنہ اور حسن نیت سے بغیر عمل بھی اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے۔

(۳) ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نیت پر (وہ اجر وثواب) عطا فرماتے ہیں جو اعمال پر بھی عطا نہیں فرماتے۔ ''إنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيُعْطِي العبدَ على نيّتِهٖ مالا يُعطِيه علَى عَمَلِهٖ''۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۱/ ۴۲)۔ اسی وجہ سے ایک حدیث شریف میں ہے نِيّةُ المؤمِنِ خيرٌ مِن عملهٖ وفی روايةٍ اَبلغُ مِنْ عملِه (مرقات شرح مشکوۃ ۱/ ۴۲) کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے (بھی) بہتر ہے۔ اس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ نیت، عمل سے بہتر ہے اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نیت پر ثواب حاصل ہوتا ہے بل کہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیت کا ثواب، عمل کے ثواب سے بہتر بھی ہوتا ہے۔

رہا مسئلہ نیت کی افضلیت کا کہ وہ عمل سے کیوں افضل ہے؟ تو شراح حدیث نے اس کی چند وجہیں ذکر کی ہیں۔

(۱) عمل میں تو ریا کاری کا احتمال ہوتا ہے کیوں کہ وہ ایک ظاہری شی ہے جب کہ نیت پوشیدہ شی ہے جس میں ریا کا احتمال نہیں۔

(۲) نیت اصل اور عمل فرع ہے اور اصل کا درجہ فرع سے بلند ہوتا ہے۔ نیز بسا اوقات فرع بغیر اصل کے پائی جاسکتی ہے یعنی عمل نیت کے بغیر پایا جاسکتا ہے تو اس صورت میں اس عمل کا ثواب حاصل نہ ہوگا نیتِ ثواب نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ (مظاہر حق ۳/ ۱۹۵)۔

(۳) عمل کے مقابلہ میں نیت میں زیادہ گنجائش ہے کیوں کہ آدمی یہ نیت کرسکتا ہے کہ ساری زندگی اللہ کی فرمابرداری کروں گا نافرمانی ذرا بھی نہیں کروں گا، لیکن اس پر عمل بہت دشوار ہے لہٰذا

نیت کا ثواب ملے گا۔

(۴) نیت کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا تعلق اعضاء سے ہے اور دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مرکز ہے اس لیے نیت افضل ہے۔ (روضۃ الصالحین ۳/۷۴)۔ ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ مقتدیوں کو فکر حسنہ اور حسن نیت کی دولت دلانے سے تین بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔

(۱) ان اعمال حسنہ کا اجر وثواب حاصل ہوگا جن کی سوچ جن کی نیت کی ہے۔

(۲) اس کا غیر معمولی فائدہ یہ ہے کہ یہ اچھی نیتیں، اچھے اعمال کا ذریعہ بنیں گی۔ کیوں کہ اکثر بدنی عمل اس وقت تک صادر نہیں ہوتا جب تک اس کے کرنے کا داعیہ اور ارادہ پہلے دل میں نہ آئے۔ (گویا نیت وارادہ اصل اور عمل اس کی فرع ہے)۔ اب جیسی نیت ہوگی ویسے اعمال صادر ہوں گے (انما الاعمال بالنیات)۔

(۳) برے اعمال کا سد باب ہوگا۔ یعنی جب اچھے اعمال صادر ہوں گے تو برے اعمال خود بخود چھوٹ جائیں گے۔ اندازہ کیجئے کہ بلا خرچ بلا مشقت کتنے بڑے فائدے حاصل ہو رہے ہیں اب کہئے کہ مقتدیوں کو ان پر لانا چاہیے یا نہیں؟ تو پھر پہلے درجہ میں مقتدیوں کو اچھی نیت اچھی سوچ کا عادی بنائیں۔

دوسرا درجہ

دوسرے درجہ میں ائمہ حضرات مقتدیوں سے وہ کام (معروفات) انجام دلائیں جو پہلے درجہ کے کاموں سے ذرا مشکل ہوں اور عمل سے تعلق رکھتے ہوں چاہے بہت کم تعلق ہو یعنی بہت آسان ہوں۔ اس درجہ کی دو مثالیں۔

پہلی مثال : مسلمانوں کا آپس میں سلام کرنا۔ظاہر ہے سلام کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔لہٰذا آپ مقتدیوں کو بتائیں کہ وہ آپس میں خوب سلام کورواج دیں۔راستوں، بازاروں ، کھیتوں ، گھروں، مسجدوں اور مدرسوں سب ہی جگہ سلام کریں۔حتی کہ پہچان والوں اور اجنبی مسلمان سبھی کو سلام کیا جائے۔اگر دور ہو تب بھی لیکن اس وقت سلام کرکے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ آپ کو سلام کیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ سلام کو عام کرو، عام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا عام کرو کہ وہ قوم کی وضع قطع کی حد میں شامل ہو جائے اور اس کی اتنی کثرت کرو کہ وہ قوم کی پہچان اور اس کا عرف بن جائے کہ لوگ ان کو سلام والے لوگوں سے پہچانیں۔سلام یہ مسلمانوں کا ایسا ہی تحیہ وادب ہے جس طرح مسجد کا تحیہ دو رکعت نماز اور کعبۃ اللہ کا تحیہ اس کا طواف ہے۔بہتر یہ ہے کہ جواب میں الفاظ مکمل کہے جائیں یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ کہے۔کیوں کہ جتنے زیادہ کلمات ہوں گے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا جیسے مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔(مشکوٰۃ ۳۹۸)۔

دوسری مثال : ائمہ حضرات مقتدیوں کو بتائیں کہ جب لوگ ایک دوسرے سے ملیں تو خندہ پیشانی سے اور مسکراتے ہوئے ملیں کیوں کہ یہ مسکرانا بھی صدقہ اور اجر کا ذریعہ ہے ۔ حدیث شریف میں ہے "تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ"۔(مشکوٰۃ ۱۶۸)۔

بل کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو خوش کرنے کے بارے بڑی تعجب خیز بات لکھی ہے فرمایا! مسلمان کو بہر حال خوش کرو، یہ ایسی اور اتنی بڑی نیکی کا کام ہے کہ اس میں ریا نہیں ہوتا " تطییب قلب مسلم میں ریا نہیں"یعنی کسی بھی طرح مسلمان کو خوش کرنا نیکی اور

بھلائی ہے۔ پھر حضرت نے اس کو حدیث شریف کی روشنی میں ثابت کیا ہے آپ حوالہ پر ملاحظہ فرمائیں (خطبات حکیم الامت ۴۸۵)۔ اور حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کے بارے میں ایک عجیب بات لکھی ہے فرمایا: کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا جن وانس کے مجموعہ اعمال سے بھی افضل عمل ہے '' تَطْيِيبُ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ اَفْضَلُ مِنْ عَمَلِ الثَّقَلَيْنِ '' (مرقات شرح مشکوۃ ۴/۴۴)

آدمی کسی عمل کو انجام اس لیے نہ دے کہ اس میں مشقت ہوتی ہے تو اس کی کچھ وجہ بھی ہوسکتی ہے لیکن آپ خود فیصلہ کریں کہ ان دو درجات کے کاموں میں کوئی مشقت ہے؟ کتنے آسان کام ہیں!!! پھر اب تک انجام نہ دینے کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) اعمال سے بس بے فکری اور ان کی ناقدری۔

(۲) ضعف ایمان کی وجہ سے بے مشقت عمل کی بھی دلوں میں اہمیت کا نہ ہونا۔

(۳) ان کی صحیح طور پر فکری راہ نمائی نہ ہونا۔

آپ جانتے ہیں اس عمل کو لوگوں میں زندہ کرنے پر کیا فوائد مرتب ہوں گے؟ اس درجہ کے کاموں کو لوگوں میں پیدا کرنے میں ۴ بڑے فوائد حاصل ہوں گے۔

(۱) ان اعمال حسنہ کا اجر وثواب۔

(۲) فکر وشعور کا بیدار ہونا۔

(۳) بتدریج عملی مشقت کے مجاہدہ کی عادت۔

(۴) آپس کی دلی کدورتوں کا دور ہوکر، تعلقات کا استوار ہونا اور صلہ رحمی کا پایا جانا۔ سوچئے آپ ائمہ حضرات کی معمولی توجہ سے لوگوں میں کتنے بڑے بڑے فوائد مرتب ہو رہے ہیں تو پھر ضرور ان راستوں سے ان سے بے فکری کو دور کرکے فکر وشعور کو جگائیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تیسرا درجہ

اس درجہ میں وہ اچھے کام ہیں جو دوسرے درجہ کے کاموں سے کچھ مشکل ہیں لیکن ویسے وہ بھی آسان ہیں۔اس درجہ کی تین مثالیں۔

پہلی مثال : کسی مسلمان کو اس کی خوشی میں مبارک باد دینا اور اس کے رنج وغم میں شریک رہنا۔ائمہ حضرات مقتدیوں کو اس کی خوب ترغیب دیں کہ ہر مسلمان چاہے غریب ہو کہ مالدار چھوٹا ہو کہ بڑا دوسروں کی خوشیوں میں مبارک باد دے،اور ان کی مصیبتوں پر ان کی خیر خبر لے ان کی تعزیت کرے۔

اور یہ بھی بتادیں کہ اس کے لیے وہ ان کے گھر جائیں صرف راستوں اور مسجدوں کی ملاقات کی مبارک باد پر اکتفانہ کریں۔اور یہ کہ ہر چھوٹی بڑی خوشی وغمی پر انہیں انجام دیں۔جب اس طرح انجام دیں گے تب اس کا اہتمام کرنا کہا جائے گا۔مثلاً بچہ کی ولادت پر،شادی پر، منگنی پر،تعلیمی امتحان کی کامیابی پر،مکان ودکان کی خریداری پر،کوئی عالم ہے تو تعلیمی تکمیل پر،امامت وتدریس کی تقرری پر اور اس کی تالیف وتصنیف پر اور اسی طرح غمی کے موقع پر مثلاً انتقال پر،اور شادی کے بعد طلاق پر،گاڑی یا جانور کی ہلاکت پر، بیماری پر اور دکان ومکان میں کوئی مصیبت پہنچنے پر وغیرہ وغیرہ۔

دوسری مثال: ائمہ حضرات ان کو بتادیں کہ جب بھی ہم سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچ جائے (حالاں کہ تکلیف پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا) تو وہ فوراً بغیر کسی شرم وحیا کے کہیں کہ ہمیں معاف کرنا۔(جیسا کہ غیر لوگ Sorry کہنے کا اہتمام کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ایسی معافی بہت پسند ہے۔اللہ تعالیٰ لوگوں کی نگاہوں میں اس کے درجہ کو بلند فرمائیں گے۔قرآن وحدیث

میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہے آپ اس کا مطالعہ کر کے مقتدیوں کو اس کی خوبیاں بتائیں۔

تیسری مثال: کسی کے احسان پر اس کا شکر بجالانا۔ اگر کسی نے ہم پر کوئی احسان کیا مثلاً ہمیں تجارت کی راہ نمائی کردی، بچوں کی تعلیمی راہ نمائی کردی، کوئی ہدیہ پیش کیا، کسی جانی ومالی نقصان سے بچادیا، تو اس کے اس احسان پر اس کا شکریہ ادا کرنا۔ چاہے یہ احسان کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ مثلاً ہمیں پانی کا گلاس ہی پیش کردیا، یا اس نے ہم تک ہمارے دوست کا سلام ہی پہونچایا، یا ہمارا کسی کے سامنے تعارف ہی کرایا۔ ان سب میں اس کو جزاك الله خیرالجزا سے دعادیں اور اس کا شکریہ ادا کریں۔

حدیث شریف کا خلاصہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو ایسے طریقے سے خوش کرے جو اس کو پسند ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے خوش فرمائیں گے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ فرائض کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

کیا آپ ان مذکورہ معمولی کاموں کے فوائد جانتے ہیں کہ اگر ان کو محنت وکوشش سے لوگوں میں زندہ کردیا تو اس کے فوائد ونتائج کیا ہوں گے؟ ان سے لوگوں کے دلوں کی کدورتیں ختم ہوں گی۔۔۔ ان کے قلوب مجلیٰ اور صاف ہوں گے۔۔۔ ان کے آپس کا اختلاف اور بعد، الفت ومحبت اور قرب ونزدیکی سے بدلے گا۔۔۔ کیا یہ معمولی چیز ہے؟ یہ تو اتنی مشکل چیز ہے جو محنت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی لیکن یہ چیز ائمہ حضرات کی محنت سے ان شاء اللہ آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے جب کہ وہ مذکورہ طریقے سے محنت وکوشش کریں اور اس کی دعا بھی کریں۔

تدابیر: اس کو لوگوں میں لانے کے لیے اخیر میں تدابیر کا بیان ہے اس کو پڑھیں۔

●ایک کام یہ بھی کریں کہ ابتداء میں اپنے سے قریب آٹھ دس افراد کو ان مذکورہ عمل کے لیے خوب تیار کریں کہ وہ پہل کریں۔ وہ سب سے پہلے احسان کا شکریہ بجالانا، سلام کرنا، مبارک باد دینا خندہ پیشانی سے ملنا وغیرہ اختیار کریں پھر ان آٹھ دس سے سبقاً سبقاً ماحول ترقی کرے گا۔

●ان اچھے کاموں کی ترویج اور اس میں پختگی کے لیے دوسرا کام یہ بھی کریں کہ ائمہ حضرات جب مردوں کو ان امور کو انجام دیتے دیکھیں تو ان کو اس کا پابند بنائیں کہ وہ اپنے گھر کی پردہ نشین بہنوں کو بھی ان پر لائیں۔ اس سے ان شاء اللہ دوسروں میں عمل کا جذبہ پیدا ہوگا اور کام کا میدان ہموار ہوگا اور آپ ائمہ حضرات کے کام میں معاونت حاصل ہوگی۔

ایک غلط فہمی : درحقیقت لوگ دلی نفرتوں اور عداوتوں کے لحاظ سے اتنے برے نہیں ہوتے جتنا ایک دوسرے کو تھوڑی سی عداوت ہوجانے کے بعد سمجھنے لگتا ہے۔ حقیقت میں ہوتا یہ ہے کہ جب دو شخصوں میں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اس سے تھوڑی دوری پیدا ہوجاتی ہے جس کے بعد جو کوئی قول وفعل ایک دوسرے کے سامنے آتا ہے تو اسی بدظنی اور دوری کی وجہ سے اس کو عداوت پر محمول کرتا ہے پھر یہی بدظنی (بغیر تصفیہ وتحقیق کے) بڑھتی رہتی ہے جو ان دونوں میں بعد واختلاف اور عداوت کو پختہ کرتی رہتی ہے حتی کہ اس کی ہر حرکت وسکون اور ہر قول وفعل کو عداوت پر محمول کرتا رہتا ہے حتی کہ پھر وہ عداوت دو فرد سے متجاوز ہوکر گھر اور خاندان تک پہنچ جاتی ہے اور یہ مرض لاعلاج اور مہلک ثابت ہوتا ہے۔ حالاں کہ اتنے بڑے مرض اور خرابی کی تہ میں جا کر دیکھیں تو بدظنی اور شکوک وشبہات کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔

اس مرض کے زائل نہ ہونے کی ایک وجہ اس کو اس وقت زائل کرنے کی طرف توجہ نہ کرنا ہے جب اس کا ابتدائی وقت تھا۔ اور دوسری وجہ صحیح طریقہ پر ازالہ کی کوشش نہ ہونا ہے۔ اگر

درست طریقہ سے کوشش کی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ یہ مرض زائل نہ ہو۔اس کے ازالہ کا درست طریقہ یہی ہے کہ جب ابتدا میں عداوت و اختلاف کے اسباب پائے جائیں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک چھوٹا بن کر دوسرے سے معافی مانگ لے اور تصفیہ کرلیں اور کم از کم سلام کرے اور مسکرادے۔ یہ وہی کرسکتا ہے جس میں اسلامی ہمدردی ہو اور رضاء الٰہی کا جذبہ ہو اگر ایسا کرے گا تو خدا کی قسم اس کی عزت گھٹے گی نہیں بڑھے گی۔(مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)

چوتھا درجہ

اس درجہ میں ائمہ حضرات اپنے مقتدیوں کو ایسے کاموں کی ترغیب دیں جو تیسرے درجہ کے کاموں سے ذرا مشکل ہوں۔مثلاً جو حضرات نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں لیکن جماعت کا اہتمام نہیں کرتے ایسا اہتمام جیسے ہر مسجد میں دو چار کرتے ہیں۔اکثر لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک آدھ صف کے علاوہ ساری صفیں بقیہ رکعتوں کے لیے کھڑی ہوجاتی ہیں۔

تدابیر : ان کو جماعت کے اہتمام پر لانے کے لیے دو تین طریقے سے آپ سمجھائیں۔

● ایک تو جماعت کی فضیلت سنائیں جو فضائل اعمال کتاب میں موجود ہے۔جب فضائل والی احادیث سنائیں گے تو ان شاء اللہ وہ اس پر آنے لگیں گے۔ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اس طرح پوری نماز کا خلاصہ تکبیر تحریمہ ہے ''لِکُلِّ شِیۡءٍ صَفۡوَۃٌ وَصَفۡوَۃُ الصَّلٰوۃِ التکبیرۃُ الاُولٰی فَحَافِظُوۡا عَلَیۡهَا '' (مرقات شرح مشکوۃ ۳/۱۹۹) عن البزار وابی داؤد)۔ظاہر ہے اگر خلاصہ ہی فوت ہوجائے تو اس کا کمال ہاتھ نہ لگے گا۔

نماز کے لیے تحریمہ ایسا ہے جس طرح بدن کی زکوۃ روزہ۔جیسے کہ حدیث شریف میں

ہے کہ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ (طہارت) ہوتی ہے بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے، اور ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن کی بلندی سورۃ بقرہ ہے اور ہر چیز کی ایک صفائی ہوتی ہے دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے۔ (مشکوٰۃ ۱۸۹،۱۹۹)۔

● دوسرا طریقہ سمجھانے کا یہ ہے کہ آج کل ہر جگہ ہر ایک کے پاس وقت معلوم کرنے کے لیے گھڑی موجود ہے اور اذان کی آواز سنانے کے لیے لاؤڈ اسپکر ہے۔ اب ہر شخص اذان سن کر اپنے مکان، دوکان اور کھیت وغیرہ سے نکلتے وقت مسجد تک کے راستے، استنجاء اور وضو وغیرہ کے وقت کا اندازہ کر لے کہ مجھے ان سب کے لیے کتنا وقت درکار ہے تو یہ اندازہ اور حساب غلط نہیں پڑے گا اور تکبیر تحریمہ کو درست طور پر پالے گا بس شرط یہ ہے کہ حساب اور اندازہ کی عادت ڈالیں۔ پھر بتائیں کہ کل سے حساب لگانا شروع کردیں ابتداء میں تھوڑی سی مشق کی ضرورت ہوگی پھر یہ چیز آسانی سے معمول میں آجائے گی۔

● تیسرا آسان طریقہ یہ ہے اگر فرض نماز سے پہلے جو بھی سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ نمازیں ہیں سب ہی کو معمول سے پڑھنا ٹھان لیں بس پھر آپ کی جماعت ان شاء اللہ فوت نہ ہوگی۔ جس کے لیے آدمی اذان سنتے ہی اس طرح تیار ہوجائے جس طرح ریل میں سفر کرنے والے اسٹیشن سے اٹھتے وقت سیٹی بجنے پر تیار ہوجاتے ہیں اور گاڑھی میں چڑھنا شروع کردیتے ہیں۔

مدینۃ المنورہ میں ایک حدّاد (لوہار) صحابی تھے جب وہ گرم لوہے پر کوٹنے کے لیے اپنا ہتھوڑا اٹھاتے اس عرصہ میں اگر اذان کی آواز کان میں پڑجاتی تو اس ہتھوڑے کو رکھدیتے اور نماز کو چلدیتے وہ اٹھائے ہتھوڑے سے آخری بار بھی کوٹنے کا کام نہ لیتے وہ کہتے اللہ کے منادی کی آواز سن کر اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس سے کام لیا جائے۔ اللہ اکبر!۔

مؤثر طریقہ: ایک بات آپ ائمہ حضرات کے کان میں کہتا ہوں اگر آپ اپنے مقتدیوں کو نماز و جماعت کا خوب اہتمام کرنے والے پاک باز اور نیک طبیعت دیکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کی جد و جہد ضروری ہے۔ اگر چہ آپ اہتمام کرتے ہی ہیں لیکن ایسا اہتمام مطلوب ہے جو امتیازی ہو۔ جس طرح برابر قد والوں میں کوئی بہت دراز قد والا شخص یعنی لمبا شخص آجائے تو کیسا امتیاز پایا جاتا ہے کہ سب ہی لوگ اس کو دیکھتے رہتے ہیں اس طرح کا امتیازی اہتمام ہو۔

کیوں کہ قائدین اور مقتدا کا، جد و جہد میں عام لوگوں سے فائق ہونا اسلام اور مسلمانوں کا وصف خاص ہے۔ پوری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جتنے پیشوا گزرے ہیں سب کی زندگی کا نمایاں وصف اور قیمتی سرمایہ یہ تھا کہ پہلے انھوں نے قربانی کا نمونہ پیش کیا تب لوگوں نے ان پر اعتماد کیا اور پھر لوگوں نے ان کے نقش قدم کی پیروی کی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے لے کر تابعین، مجاہدین اسلام، مبلغین دین، محدثین عظام، مفسرین قرآن، فقہاء اسلام اور سلوک و تصوف کے قطب و ابدال، قطب ارشاد، قطب مدار، نقیب و نجیب اور وتید و اوتاد وغیرہ اور ماضی قریب میں **حکیم الامت علامہ تھانوی** اور بانی تبلیغ **حضرت مولانا محمد الیاس** رحمہم اللہ تعالیٰ تک ہر ایک کی سیرت قربانیوں سے چھلک رہی ہے۔

طارق بن زیاد نے فتح اندلس کے وقت جو تاریخی خطبہ اپنے رفقاء کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے دیا تھا وہ بڑا پر اثر تھا جس میں قربانیوں بل کہ جان کی بازی لگانے کی دعوت تھی۔ فرمایا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا اس وقت ممکن ہوگا جب تم اپنے آپ کو موت کی دعوت دو،

اور میں تمہیں ایسے معاملہ سے نہیں ڈراتا جس سے میں خود باز اور الگ رہوں، اور میں جس غیر معمولی کام (جان کی بازی) پر آمادہ کر رہا ہوں اس میں ابتدا اپنی ذات سے کروں گا۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ میں جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا میں ہی ہوں گا، اور دونوں لشکروں کے مڈھ بھیڑ کے وقت سرکش قوم لُذریق پر سب سے پہلے حملہ میں کروں گا۔

"وإنَّ انتهازَ الفرُصَةِ فِيْهِ لَمُمْكِنٌ اِنْ سَمَحْتُمْ لِاَنفُسِكُمْ بِالْمَوْتِ، وَاِنِّي لَمْ اُحذِّرْكُمْ اَمْراً اَنَا عَنهُ بِنَجْوةٍ، وَلَا حَمَلْتُكمْ عَلى خُطَّةٍ اَرْخَصُ مَتَاعٍ فِيْهَا النّفُوْسُ اِلَّا اَبْدَاُ بِنفْسِيْ..... وَاعْلَمُوْا اِنِّيْ اَوَّلُ مُجِيبٍ اِلٰى مَا دَعَوْتُكُمْ اِلَيْهِ، وَاِنِّيْ عِنْدَ مُلْتَقَى الْجَمْعَيْنِ حَامِلٌ بِنَفْسِي عَلَى طَاغِيَةِ الْقَوْمِ لُذَرِيقَ"۔ (القراءۃ الرشید ۴/۸ ص)

لہٰذا آپ کو بھی اپنے مقتدیوں کے لیے بطور نمونہ عمل پیش کر کے پھر ان سے جد و جہد اور قربانی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ بس آپ اور خادم مسجد سب سے پہلے مسجد میں تشریف لائیں اور سنن و نوافل اور دیگر عبادتوں میں مصروف رہیں ان شاء اللہ مقتدی حضرات آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع کریں گے اور جب آپ اس کی دعوت دیں گے تو وہ اس پر لبیک کہیں گے۔ لہٰذا ماحول بنانے کی حد تک ان سنن و نوافل کو جو فرض سے پہلے اور بعد میں ہیں مسجد ہی میں ادا کریں۔ چاہے ان کو گھروں میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حدیث عن کعب بن اجرۃ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۰۵)۔

گھروں میں نماز نفل وسنت پڑھنے کی فضیلت بے شمار روایتوں میں وارد ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز میری اس مسجد "مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں پڑھی ہوئی نماز سے زیادہ افضل ہے سوائے فرض

نمازوں کے (مشکوٰۃ شریف ۱۱۵) حالاں کہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک فرض نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے پڑھنے کے ثواب کے برابر درجہ ہے۔لیکن اس حدیث شریف میں اس سے بھی افضل گھر میں پڑھنے کو بتایا جارہا ہے اس سے اندازہ کیجئے کہ گھروں میں پڑھنے کی ترغیب کتنی ہوئی۔گھروں میں پڑھنے کے چند فوائد ہیں۔مثلاً

(۱) ریا کاری اور ناموری سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۲) مکانات کی جن وانس کی شرارتوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۳) اس سے گھروں میں نیکی اور سکون و برکت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) مکینوں کی عمروں میں برکت اور نیکی کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

(۵) گھر کے بڑی عمر کے بے نمازی لوگوں کے لیے عملی تبلیغ ہوتی ہے۔

(٦) چھوٹے بچوں کے لیے نماز کی عادت کا ذریعہ بنتی ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

پانچواں درجہ

ان کاموں کا ہے جو اگلے درجہ کے کاموں سے اور ذرا مشکل ہیں کیوں کہ اب مشکل کاموں کی تھوڑی سی عادت بنتی جارہی ہے۔اس درجہ کی مثال لوگوں کو فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر اللہ میں مصروف رکھنا ہے۔کیوں کہ ان دو اوقات میں ذکر اللہ کے فضائل بکثرت وارد ہیں۔ایک حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: غافل لوگوں میں ذکر کرنے والا خشک درختوں میں سبز ٹہنی کی طرح ہے،اور غافلوں میں ذکر کرنے والا تاریک گھر میں چراغ کی طرح ہے اور غافلوں میں ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ زندگی ہی ہیں اس کے جنت کا ٹھکانہ دکھائیں گے۔(مشکوٰۃ شریف ۱۹۹)۔

زندگی میں جنت کا ٹھکانہ بتایا جانا کتنی بڑی دولت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو یہ دولت نصیب فرمائیں۔زندگی میں جنت دکھائے جانے کے چند مطلب ہیں۔ایک یہ کہ یا تو خواب میں دکھائی جائے۔۔۔دوسرے بذریعہ کشف بیداری میں دکھائی جائے۔۔۔اور تیسری یہ کہ دنیا ہی میں ایسا پختہ آخرت میں حاصل ہونے کا یقین عطا کیا جائے گویا وہ اس وقت ہی دیکھ رہا ہے۔۔۔علماء فرماتے ہیں کہ یہ تیسری صورت کا حاصل ہونا پہلی دوصورتوں سے بہتر ہے۔نیز ذکراللہ سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے جیسے ارشاد ہے''اِنَّ اللہَ مَعَ الذّٰاکِرِیْنَ'' جولوگ معیت کا مفہوم جانتے ہیں وہ اس کی اہمیت کو جانتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی دولت ہے۔

اگر وہ ان اوقات میں دس منٹ بھی اللہ کا مبارک ذکر کر لیتے ہیں تو بڑی توفیق اور سعادت ہوگی۔ابتدا میں یہ عمل صرف دس منٹ ہو تو کافی ہے پھر بتدریج حسب استطاعت اضافہ فرمائیں۔اس عمل میں (جماعت کا اہتمام کرنے اور نہ کرنے والے) دونوں طبقے کے لیے قربانی ومجاہدہ شامل ہے جوان کی ترقی کا ذریعہ ہوگا۔لیکن اگر مسجد میں دعوتی محنت کی فضا پہلے سے قائم ہے اور ان نمازوں کے بعد مسجد وار جماعت کا کوئی عمل مثلاً دینی فکروں کا مشورہ یا کتاب کی تعلیم وگشت وغیرہ ہوتا ہو تو اس کو چھوڑ کر ذکراللہ میں نہ لگائیں بل کہ اسی دعوتی عمل کو ترجیح دیں اور اس میں نمازیوں کو جوڑیں۔

کیوں کہ آدمی جب اپنے ساتھ دوسروں کے دین کی فکر کرے گا تو کافی حد تک اپنے دین کے بارے میں ضرور فکر مند رہے گا لہٰذا وہ ذکر بھی ضرور کر لے گا چاہے کوئی اور وقت میں کرے۔کیوں کہ دعوت آدمی کو خود اس عمل پر کھڑا کرتی ہے جس کی دعوت دی جاتی ہے اور ظاہر ہے یہ ایمان ونماز،علم وذکر،اکرام واخلاص اور جان ومال کو راہ خدا میں قربان کرنے کی دعوت

ہے تو پھر اس سے بہتر اور کیا عمل ہوگا؟

ایک عالم نے اپنی کتاب میں ”لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ“ کے تحت بڑی عمدہ بات لکھی ہے کہ قیامت کے روز (بندوں سے) خدا کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، حتی کہ ٹھنڈے پانی کی نعمت حاصل ہے تو اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ اور تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دین ہے۔ دین کے بارے میں صرف دین اختیار کیا یا نہیں اتنا ہی سوال نہیں ہوگا بل کہ دین کے لیے عطا کردہ صلاحیتوں مثلاً صحت ۔۔۔ عقل ۔۔۔ قوت ۔۔۔ زبان ۔۔۔ اور علم وغیرہ کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ اگر کسی کو دوسروں کے مقابلے میں یہ صلاحیتیں اعلی درجہ کی ملی تھیں اور وہ شخص صرف اپنے دین کو اختیار کر کے بیٹھا رہا تو اس بارے میں اس کا مؤاخذہ ہوگا۔

کیوں کہ اعلی صلاحیتیں اعلی دینی امور انجام دینے کے لیے عطا کی تھیں۔ جب ٹھنڈے پانی پر سوال ہے تو ان اعلی حلاحیتوں پر کیوں سوال نہ ہو؟ کہ یہ اسی لیے عطا کر رکھی تھیں تا کہ دوسروں کو بھی دین پر حتی الوسع لاتا رہے۔ لہٰذا صرف اپنے اعمال اختیار کر کے یا صرف مکتب و مدرسہ کے طلباء کو پڑھا کر یا صرف امامت کر کے بے فکر نہ ہو جائے۔ بڑی عمدہ سمجھداری کی بات کہی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ دین وایمان میں حد درجہ کمزور ہیں، اعمال دینیہ سے بھی دور ہیں بل کہ ان میں دینی کوئی طلب ہے نہ شعور ان میں طلب جگانا اور پھر ان کو اعمال پر کھڑا کرنے کے لیے تعلیمی حلقوں اور مسجد وار جماعت میں جوڑنا اور دینی فکروں میں شامل کرنا اعلی درجہ کا کام ہے۔ لہٰذا دعوتی وایمانی فضا کو چھوڑ کر کسی خاص عمل میں نہ لگائیں اس طرف ہر امام صاحب کی نظر جانی چاہیے، اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائیں اور اس کی توفیق بھی۔

اگر بازار کی مسجد ہے جہاں نمازی لوگ نماز کے بعد فوراً ادکانوں پر چلے جایا کرتے ہیں تو انہیں بھی یہ بتادیں کہ یہ اگر چہ آپ کی مصروفیت کا وقت ہے لیکن رضاء الٰہی کے لیے کم سے کم پانچ منٹ بھی مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرلیں اور بقیہ تسبیحات راستوں اور دکانوں پر پوری کرلیں، اور فجر کی نماز کے بعد اپنے محلے کی مسجد میں پڑھ لینے کی فکر دلادیں کہ وہاں اطمینان سے ممکن ہے۔

ذکر کے لیے تین تسبیحات ایک استغفار کی دوسری تیسرے کلمہ کی اور تیسری دورد شریف کی۔اور اگر کوئی کسی شیخ سے مرید ہے تو ان کے بتائے ہوئے معمولات کا ورد کرے۔ مسجد میں ذکر کرنے اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے والوں کو آداب سے بجالانے کو بھی بتادیں کہ اگر عذر نہ ہو تو روبقبلہ باادب ہو کے استحضار کے ساتھ ان کو بجالائیں ان شاءاللہ کچھ وقت کے بعد آپ اس کا اثر ضرور دیکھیں گے کہ لوگ ان اعمال نبویہ واعمال آخرت پر آرہے ہیں۔ کیوں کہ جو باپ یا استاذ یا امام یا شیخ کسی عمل کو اختیار کرتا ہے تو اس کے ماتحت افراد بیٹا، شاگرد ومقتدی اور مرید بھی اس کو اختیار کرتے ہیں۔

جب لوگ ان کاموں پر آجائیں تو ان کو فضائل اعمال کی تعلیم جس نماز کے بعد ہوتی ہو اس میں شرکت کی ترغیب دیں۔ کیوں کہ اس سے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وبڑائی آئے گی، اوامر ونواہی میں امتثال اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سنتوں کی اہمیت اور ان پر عمل کی توفیق ہوگی اور مجاہدہ کی عادت بنے گی اور عمل کے ساتھ ضروری علم آئے گا اور وہ جہالت، بدعات، رسومات، برائیوں، غفلت، ریاکاری، کبر وحسد اور بدعملی سے بچ کر اور نکل کر صفات حمیدہ سے آراستہ ہوں گے۔ان کو یہ بتادیں کہ اس تعلیم اور دینی فکروں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا پانی زندگی

کے تمام شعبوں میں پہونچے گا۔

چھٹا درجہ

اس درجہ میں وہ کام شامل ہیں جو پانچوے درجہ سے بھی مشکل ہیں۔

پہلی مثال : فجر کی نماز کے بعد ذکر و تلاوت میں اشراق تک مشغول رہ کر اشراق کی نماز پڑھنا۔ نیز فرض نمازوں کے ساتھ تمام سنن و نوافل کا پڑھنا چاہے سنن رواتب ہوں کہ غیر رواتب۔

دوسری مثال: اوابین کی نماز پڑھنا اور شب و روز میں سے کچھ وقت دعاء کے لیے فارغ کرنا کہ اہتمام سے روزانہ اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔

حضرت مولانا احسان الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مترجم حیاۃ الصحابہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا گھڑی میں دیکھ کر روزانہ بیس منٹ دعا مانگو۔ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو دعا والے بنا کر گئے ہیں، یہ نہیں کہ بزرگوں کے ہوتے ہوئے ہم کیا دعا مانگیں۔ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے ایک تابعی دعا مانگتا ہے اور اس کی دعا پر سواری زندہ ہوتی ہے۔

(پھر دین کی دعوت کی اہمیت پر فرماتے تھے) یہ راستہ یوں نہیں دیا گیا کہ بعض دعا والے بن جائیں، بعض شیطان بن جائیں اور جب ان پر مصیبت آجائے تو وہ دعا والوں کے پاس چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ راستہ دے کر نہیں گئے نہ عالموں کو عوام پر چھوڑا نہ حاکم کو محکوم پر نہ محکوم کو حاکم پر چھوڑا۔ تم ذرا تصور کرو اس زندگی کا کہ کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کی چیز پر نگاہ نہیں رکھتا، کوئی کسی سے لالچ نہیں رکھتا، ہر ایک کی زندگی مستقل بن رہی ہے، چیزوں

پر موقوف نہیں، ۲۴ گھنٹے زندگی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں پر گزار لو، ان کے طریقے سے پیسے گھٹے تو گھٹنے دو، کیوں کہ پیسے کے راستے سے دعا قبول نہیں ہوگی، آپ ؐ کے راستے سے دعا قبول ہوگی، تو صالح بن، تو ولی بن، تو دعا والا بن، (تحفۃ الائمہ ۴۵)۔

مقتدیوں کو دعا کے آداب سکھائیں اور یقین کے ساتھ دعا مانگنے کو کہیں اور دعائیہ کلمات کی رہبری بھی فرمائیں۔ کیوں کہ دعا اعلی اوسط اور ادنی مرادوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

● وہ یہ کہ اپنی دنیوی ضرورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت، اعمال صالحہ کی توفیق، ایمان کامل اور حلاوت ایمان، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں اور سنتوں کا شوق ان پر عمل کی توفیق، ایمان کامل پر موت، دنیا و آخرت کی بھلائی، عافیت و برکت، حلال رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ سے طلب کریں۔ یہ چیزیں اپنے لیے اور اعزہ و اقارب اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی مانگیں اور پوری امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

● اور یہ مانگیں کہ اے اللہ امت کو ضلالت سے ہدایت پر۔۔۔ معصیت سے طاعت پر۔۔۔ جہالت سے علم پر۔۔۔ غفلت سے تیری یاد پر۔۔۔ پستی سے بلندی پر۔۔۔ اور اختلاف سے اتحاد و اتفاق پر کھڑا فرمایئے۔۔۔ اور اے اللہ دین کو امت میں زندہ فرمایئے۔۔۔ اور دین کی محنت کو زندہ فرمایئے۔۔۔ اور نبی والا غم اور نبی والی فکر ہم سب کو نصیب فرمایئے وغیرہ۔

ساتواں درجہ

چھٹے درجہ کے بعد اگر آپ چاہیں تو اس ساتویں درجہ کا اضافہ کریں (ورنہ اس کے بعد والا درجہ اختیار کریں)۔ اضافہ کے اس درجہ میں ذیل کی چیزیں پیش کر سکتے ہیں۔

پہلی مثال: مختلف دعائیں اور سنتیں سکھائیں۔

دوسری مثال: آپ مقتدیوں کو باوضو رہنے کی ترغیب دیں۔

اگر چہ عام لوگوں کے لیے ابتداءً مشکل ہے، کیوں کہ عامۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ وضو تو صرف نمازوں اور قرآن شریف کے پڑھنے کے لیے ضروری ہے۔لیکن بذات خود یہ عمل آسان ہے اگر اس کی فضیلت بتائی جائے۔حدیث شریف میں ہے کہ وضو پر مداومت مومن ہی کرتا ہے۔یعنی باوضو رہنے کی صفت مومن کی بتائی ہے نیز اس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں، نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وضو پر ایک واقعہ لکھا ہے۔فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلاف کعبہ کے لیے کپڑا خریدنے کے واسطے کسی کو مصر بھیجا۔ملک شام سے گزرتے ہوئے کسی راہب کا عبادت خانہ دکھائی دیا، وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کی ملاقات کے لیے گئے دروازہ پر دستک دی کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور ملاقات ہوئی تو راہب سے تاخیر کی وجہ پوچھی، راہب نے کہا آپ کو دور سے آتا دیکھ کر ہم سب پر ایسی ہیبت طاری ہوئی جیسی کسی بادشاہ کی ہوتی ہے اس سے ہم ڈر گئے اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگ گئے پھر دروازہ کھولا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا اگر کسی بادشاہ کا خوف ہوا کرے تو وضو کر لیا کرو اور سب گھر والوں کو بھی وضو کرادیا کرو باوضو آدمی میری حفاظت میں رہتا ہے۔(روضۃ الصالحین ۳؍۱۶۸)۔

اور وضو کی برکت کا حدیث میں بھی ذکر ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا بلال تم کیا عمل کرتے ہو کہ میں نے تمہارے جوتوں کی آہٹ جنت میں سنی۔عرض کیا ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب بھی نیا وضو کرتا ہوں تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتا ہوں

۔یہ تھی وضو کی برکت۔

علماء نے لکھا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو ہیں تو نفل لیکن فرض سے بڑھی ہوئی ہیں۔ (ویسے ہر فرض عمل، نفل عمل سے ۷۰ درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے سوا ان تین عمل کے) ایک قرض معاف کرنا جو قرض میں مہلت دینے سے افضل ہے۔ دوسری سلام میں پہل کرنا جو جواب سے افضل ہے۔ تیسری وقتِ نماز سے پہلے وضو کرنا جو وقت کے آنے کے بعد وضو کرنے سے افضل ہے۔ (مظاہر حق ۳/۵۲۷)۔

تیسری مثال : مقتدیوں کو موقع کے نفلی اور سنت روزوں کا عادی بنانا ہے۔ احادیث میں جو روزوں کے فضائل وارد ہیں وہ انہیں سمجھانا اور ترغیب دینا ہے۔ ایک حدیث شریف کا خلاصہ ہے کہ جو کوئی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک نفل روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان اتنی مسافت قائم کر دیتے ہیں جتنی کسی کوّے کے بچہ ہونے کی عمر سے بوڑھے ہو کر مرنے تک اڑنے میں ہوتی ہو۔ (مشکوٰۃ ۱۸۱)۔

شراح حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کوّے کی عمر ہزار برس ہوتی ہے۔ اس سے اس مسافت و دوری کا اندازہ ہوا کہ وہ کتنی بڑی دوری ہوگی۔ اس طرح کے عمل سے لوگوں میں دینی شوق جگانا ہے اور ان کے اندر سے بے فکری اور غفلت کو دور کرنا ہے تاکہ وہ دین سے اس طرح وابستہ ہوں جس طرح دنیا سے وابستہ ہیں۔

آٹھواں درجہ

معروفات کے سابقہ درجات میں یہی درجہ اصل اور بنیاد ہے کیوں کہ اس درجہ میں اسلامی بنیادیں اور اسلامی فرائض شامل ہیں۔

پہلی مثال : نماز ہے۔ جو مسلمان مسجد اور نماز سے دور ہیں ان کو موقع و محل سے

بطورِ خاص نماز پر لانے کی فکر کی جائے۔

تدابیر

پہلی تدبیر : جس کی ایک صورت یہ ہے کہ اب جمعہ کے بیان میں خصوصیت سے نماز کا موضوع لے کر ترغیبی پہلو سے سنجیدگی کے ساتھ نماز پر آمادہ کیا جائے۔اس طرح دو تین جمعہ کیا جائے۔

دوسری تدبیر : اگر اس کے بعد بھی کوئی فرق ظاہر نہ ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ جماعتوں کی نماز کے بعد آپ امام صاحب اور دوسرے دو ساتھی مل کر ان کے گھر جا کر سمجھائیں شرمندگی سے ان شاء اللہ ضرور نماز پر کھڑے ہوں گے۔ پہلے عصر و مغرب اور عشاء کی نمازوں میں ایسا کریں پھر فجر اور ظہر میں جن میں نیند کا غلبہ رہتا ہے۔ کسی بھی طرح کسی بھی حکمت سے ان کو نماز پر کھڑا کریں۔اور خصوصاً ۴۰ دن اس طرح نماز پڑھائیں کہ وہ تکبیر تحریمہ کو پالیں۔ کیوں کہ

اولاً جب کوئی نماز پر کھڑا ہوگا تو اس کا مطلب وہ آئندہ ان شاء اللہ برائیوں اور گناہوں سے بچے گا کیوں کہ نماز کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نمازی کو برائیوں سے بچاتی ہے ’’اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ ‘‘۔

ثانیاً کسی مسلمان کو ۴۰ روز تکبیر تحریمہ پانے پر کھڑا کرنے کا مطلب اس کو نمازی بنانا ہے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ اس سے دو براءتیں یعنی دو نجاتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک جہنم سے نجات دوسری نفاق سے نجات (مشکوٰۃ شریف ۱۰۲)۔ یہ عمل کسی کو نمازی بنانے کے لیے بہترین نسخہ ہے۔ کیوں کہ جب چالیس دن تک مسلسل تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس کی برکت سے وہ منافق نہیں رہے گا تو پھر وہ نمازی ہو جائے گا۔

دوسری مثال : رمضان شریف کے روزوں اور اہل ثروت کے مالوں کی زکوٰۃ کی

ادائیگی اور صاحب استطاعت لوگوں کے وظیفہ عُمر حج بیت اللہ ادا کرنے کی محنت وفکر کی جائے۔ لہٰذا بڑی تیاری اور حکمت کے ساتھ اس طرح ترغیب دیں کہ لوگ ان کو بجالانے پر آمادہ ہوں۔

آپ کتنے خوش قسمت ہوں گے اگر آپ کی حکمت بھری فکروں اور کوششوں سے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے اوامر زندہ ہوں۔ شاید آپ کو یہ خیال ستا رہا ہو کہ اصلاحی درجات میں فرائض کو مقدم کرنا چاہیے انہیں مؤخر کیوں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ادب کو چھوڑتا ہے تو وہ نوافل سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو نوافل سے محروم ہوتا ہے وہ پھر سنتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور جو سنتوں سے محروم ہو وہ فرائض سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو فرائض سے محروم ہو تو قریب ہے کہ وہ معاصی کا مرتکب ہو۔ (تعلیق الصبیح ۱/۴۲)۔ یعنی کسی بھی عمل صالح اور نیکی کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیوں کہ یہی چھوٹی چھوٹی نیکیاں بڑی نیکیوں کا دروازہ کھولتی ہیں۔

جب یہ بات ہے تو اوپر کے درجات کے نیک عمل مثلاً سنن ونوافل، ذکر وتلاوت اور دعائیں وغیرہ ان شاء اللہ فرائض پر عمل کا دروازہ کھولیں گے۔ مذکورہ فرائض میں سے آپ ایک ایک کو باری باری لے کر خوب ترغیب وحکمت سے سمجھائیں اور ترغیب کے لیے احادیث مبارکہ کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان مذکورہ اعمال پر آپ کے تمام مقتدیوں کو قائم فرمائیں۔ آمین۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

فصل سوم : اصلاحی مرتّب درجاتِ منکرات

ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اصلاً اصلاح میں منکرات کو چھڑانا مقدم ہے پھر معروفات پر قائم کرنا ہے۔لیکن گناہوں کی عادت کی وجہ سے ان کا چھڑانا ذرا مشکل ہے اس لیے اولاً معروفات کے ذریعہ اصلاح مناسب ہے جس سے امتثال امر کی ایک طرح کی استعداد پیدا ہوگی تو پھر منکرات چھوڑنے کی استعداد بھی پیدا ہوگی اس لیے اب منکرات کو بیان کیا جاتا ہے۔منکرات کے درجات میں بھی الاسھل فالاسھل کی رعایت ملحوظ ہوگی۔

پہلا درجہ

پہلے درجہ میں ایسے منکراور ایسی برائی کو چھڑانے کی کوشش نہ کی جائے جس میں پوری قوم مبتلا ہو اور اس کی عادت لوگوں میں پختہ ہو چکی ہو، ورنہ لوگوں پر شاق ہوگا اور ہماری کوشش کا ثمرہ مؤخر ہو جائے گا۔بل کہ ایسی برائی کی کوشش کرنی ہے جو یا تو چند افراد میں ہو یا سب میں ہو لیکن پختہ نہ ہو۔آپ اس درجے کی چیز پر اور اس کی مثال پر اور اس کی تدابیر پر غور فرمائیں کہ کیا یہ چیزیں موزوں ہیں یا نہیں؟

اس درجہ کی مثال لوگوں کا اپنے گھروں کی صفائی کر کے اس کا کوڑا کرکٹ یا تو دوسرے کے گھر کے سامنے یا عام سڑک پر ڈال کر لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے بچانا ہے۔سوچئے لوگوں کا عمل کس قدر خلاف شریعت جا رہا ہے۔شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ آدمی راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تاکہ دوسروں کو راحت حاصل ہو لیکن ہو یہ رہا ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے ہی فرصت نہیں۔یہ ہے ہمارے اسلام کی حالت۔کسی کو تکلیف پہنچانے کا یا کسی گناہ کے

ارتکاب کا عامۃً سبب بوجہ ضعف ایمان اس شخص کو یا اس گناہ کو حقیر سمجھنا ہوتا ہے تب ہی تو اس کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ ورنہ جو اپنے نزدیک قابل تعظیم ہو اس کو کون تکلیف پہنچاتا ہے!۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین باتیں خوب ذہن نشین رکھو اور ان سے ضرور بچو اور دوسروں کو بھی ان سے بچاؤ۔

(۱) کسی بھی مسلمان کو حقیر نہ جانو ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں ولایت چھپائی ہو!!! ''لَعَلَّ خَبَّأَاللّٰہُ فِیْہِ وِلَایَتَہٗ''۔

(۲) کسی بھی طاعت کو حقیر نہ سمجھو ہوسکتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی چھپا رکھی ہو۔

(۳) کسی بھی گناہ کو معمولی نہ سمجھو ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی ناراضگی چھپا رکھی ہو۔ (نبراس شرح، شرح عقائد ۱۷۳)۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا فرماتے تھے کہ میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال اور ہر کافر کو احتمالاً افضل سمجھتا ہوں! مسلمان کو تو اس لیے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے۔ اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دیدیں اور وہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ لہٰذا کسی کافر کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے اور شفقت و خیر خواہی سے اس پر محنت کی جائے کیا بعید ہے کہ اللہ پاک تمہیں اس کی ہدایت کا ذریعہ بنادیں اور تمہارے لیے ذخیرہ آخرت بن جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۲۲۷)۔

◆ **تدبیر :** لہٰذا ائمہ حضرات اس قبیح فعل کے دینی و دنیوی نقصانات مقتدیوں کو سمجھا کر اس سے بچائیں۔

(۱) دینی نقصان یہ کہ احادیث مبارکہ میں دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی جو وعیدیں ہیں وہ سمجھائیں مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص (کسی مسلمان کو) نقصان پہنچائے گا اس کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچائے گا، اور جو کسی کو مشقت وتکلیف میں ڈالے گا اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف میں ڈالے گا (ترمذی ۲/۱۶)۔ دوسری حدیث شریف میں ہے وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ کوئی مکر اختیار کرے۔ (ترمذی ۲/۱۶)۔ مطلب جو شخص کسی مسلمان کو خواہ ظاہری طور پر یا پوشیدہ طور پر ضرر پہنچائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا۔

(۲) دنیوی نقصان مثلاً گندگی کا پھیلنا، طبیعت کا مکدر رہنا، صحت کا خراب ہونا اور لوگوں کی نظر سے گر جانا وغیرہ۔ جب آپ ان مذکورہ نقصانات پر اور مسلمانوں کی ہمدردی وخیر خواہی پر روشنی ڈالیں گے تو لوگ آپ کی موافقت کریں گے آپ کی ہمنوا بنیں گے۔ کیوں کہ لوگ فطری طور پر نظافت پسند ہوتے ہیں تب ان کی یہ ہمنوائی آپ کے لیے معین ومددگار ہوگی۔

خاص تدبیر : عمومی وکلی تدابیر کا ذکر تو سارے درجات کے اختتام پر ہوگا لیکن اس کی جزئی وخصوصی تدبیر اس طرح اختیار کریں۔ کہ ہفتہ میں دو بار کسی نماز کے بعد تمام نمازیوں کے سامنے اس کی ترغیب دیں۔ جب ترغیب کے دو ہفتے گزر جائیں تو آپ اور دو ایک معزز شخص لوگوں کے گھروں کے سامنے اور سڑک پر اس طرح سے گزریں کہ اگر کسی کے گھر کے سامنے کوڑا ڈالا ہوا ہو تو تھوڑی دیر وہاں کھڑے رہ کر اس کوڑے پر اور ادھر ادھر لوگوں کے گھروں پر اس طرح نظر ڈالیں کہ لوگ آپ کی اس جانچ پڑتال کی ہیئت کو دیکھ لیں۔

اگر کوئی صفائی کے لیے آ گیا تو الحمدللہ۔ نہیں تو آپ از خود اس کوڑے کو راستہ وغیرہ سے ہٹا دیں۔ جب محلے کے لوگ آپ کو صفائی کرتے دیکھیں گے تو پھر کچھ لوگ آ کر خود صفائی

کرلیں گے اورڈا لنے والا ان شاء اللہ اس حرکت سے باز آجائے گا۔اس طرح دوتین مرتبہ آپ کو خودکواس کا ثواب حاصل کرنے کا موقع مل جائے گااورلوگوں کی اس نیک عمل کی طرف راہ نمائی کا ثواب دائمی طورآپ کوملتا رہے گا۔

اوراگراس طرح سے بھی لوگوں کی اصلاح نہ ہوتوکوڑاڈالنے والوں کو مسجد میں نماز کے بعد الگ سے بٹھا کر سمجھائیں کہ وہ اپنی مستورات کواس سے باز رکھیں۔ وہ پڑوسیوں کا قصور پیش کریں گے،آپ کوحکمت سے مسئلہ حل کرکے ان سےاس برائی کودورکرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک دومرتبہ آپ کواس کی زحمت اٹھانا ہے۔آپ خودہی بتائیں کہ اگر آپ کی اس معمولی زحمت سے حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے برائی نکل کراچھائی آئے توکیا آپ اس سے خوش نہیں،کیایہ آپ کی خوش قسمتی نہیں۔لہٰذااس کے لیےاس طرح حکمت سےاپنی قوم کواخلاق حسنہ سے آراستہ کریں۔حدیث شریف میں ہے ”مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ “۔(مشکوٰۃ شریف ۴۳۴)۔ جوشخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیارکرےتو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کوبلندکریں گے۔چناں چہ وہ اپنی نظرمیں توحقیر ہوتا ہےلیکن لوگوں کی نظرمیں بلندمرتبہ ہوتا ہے۔

حکم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے۔ایک بزرگ کی ایک شخص نے دعوت کی اوراپنے مکان پر بلایا جب وہ اس کے مکان پر پہنچےتو داعی نے کہا کیوں آئے کیسے آئے؟فرمایا بھائی تم نے دعوت دی تھی،کہا کس نے دعوت کی تھی،خواہ مخواہ لوگوں کے سر پڑتے ہو،وہ بیچارے واپس جانے لگےتو کہتا ہے: جاتے کہاں ہوہم نے تو دعوت کی تھی،وہ پھر واپس چلے آئے تو پھر کہنے لگا: سبحان اللہ آپ تو

کھانے کے لیے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں تو وہ بیچارے پھر واپس ہونے لگے تو پھر کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی اس طرح کئی بار وہ واپس چلے جاتے اور واپس بھی آجاتے۔ آخر کار وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں دھوکہ نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آجائے گا۔ (یہ بات تو پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے)۔ (خطبات حکیم الامت ۴۲۵)۔

دوسرا درجہ

ائمہ حضرات اس درجہ میں لوگوں کو ایسے برے کام سے باز رکھیں جو اول درجہ سے ذرا مشکل ہوں۔

اس درجہ کی مثال: لوگوں کو غصہ اور بد خلقی سے بچانا ہے جبکہ غصہ پر عملی اقدام اور بد خلقی کا اظہار ہو۔ جو حضرات معمولی معمولی کاموں اور باتوں پر غصہ کرتے رہتے ہیں جن کے رات ودن گویا غصہ میں گزرتے ہیں، ایسے افراد کو پہچان لیں پھر ان کو محنت و کوشش سے غصہ سے ایسے دور کردیں گویا ان میں غصہ کم ہے یا ہے ہی نہیں۔ جیسے ہر گاؤں اور شہر میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کبھی غصہ نہیں کرتے، ان سے کسی کا کوئی جھگڑا ہی نہیں، نہ گھر میں نہ خاندان میں نہ گاؤں میں۔

غصہ ویسے اچھی چیز ہے۔ کیوں کہ غصہ انسانی فطرت میں رکھا ہی اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی اپنے آپ کو تکلیفوں سے بچائے، کیوں کہ غصہ ایک ایسی فطری قوت کو کہتے ہیں جو تکالیف کو دور کرے ''اَلْغَضَبُ: قُوَّۃٌ تُدْفِعُ الْمَضَارَّ'' اگر غصہ نہ ہو تو آدمی تکلیفوں کا شکار بن جائے۔ لیکن اگر وہ ناحق جگہ ہو یا اس پر عملی اقدام ہو اور اس کا غلط اظہار ہو تو یہ بری چیز ہے کیوں

کہ یہ اس کی آفت ہے جو دوسروں کو ناحق ایذا پہنچانے کا ذریعہ ہے "فَمِنْ اٰفَتِہٖ اَلْاِیْذَاءُ بِلَاحَقٍّ" (نبراس شرح،شرح عقائد ۳۵۸)۔

پہلی تدبیر

اس مذموم چیز کو نکالنے کے لیے آپ غصہ کی قباحت بیان کریں اور غصہ کے وقت کی حالت بیان کریں۔ کہ جب آدمی غصہ ہوتا ہے تو اس کا چہرہ کتنا خوف ناک ہوجاتا ہے آنکھیں کیسی بڑی ہوجاتی اور باہر نکل آتی ہیں، آواز کیسی اونچی اور بھدی ہوجاتی ہے کہ کوئی اس کے چہرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور احادیث مبارکہ میں جو غصہ کو ختم کرنے کی ہدایتیں وارد ہوئی ہیں وہ سنائیں۔ مثلاً کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر بھی ختم نہ ہو تو لیٹ جائے۔ اور اس کے ساتھ پانی پی لے اور وضو کرلے۔ کیوں کہ غصہ کی حرارت شیطانی اثر ہے تو بیٹھ جانا لیٹ جانا مٹی سے لگ جانا اور پانی پینا یا وضو کرلینا اس حرارت اور شیطانی اثر کو مٹا دے گا۔

دوسری تدبیر

غصہ سے حاصل ہونے والے نقصانات کو بیان کرنا ہے۔ کہ اس غصہ کی وجہ سے کتنی اولادیں بے قصور ماں باپ کے ہاتھوں پیٹی جاتی ہیں حالاں کہ اس کا سبب ماں باپ ہی کا بیجا غصہ ہوتا ہے۔ اسی سے پڑوسیوں سے لڑائی جھگڑے بنے رہتے ہیں۔ میاں بیوی میں لڑائی اور مار پیٹ ہوتی ہے اور کتنے گھر اجڑ جاتے اور طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔ اسی سے قتل وخون ہوتا ہے اور والدین کی نافرمانی اور بھائی بہنوں میں نااتفاقی اور دوری ہوجاتی ہے۔

اس غصہ سے جب زبان درازی کی جاتی ہے اور اس سے کسی کا دل زخمی کردیا جاتا ہے تو اس زخم اور بیماری کا کیا حال ہوتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ شعر

و کُلُّ جِراحَۃٍ فَلَھَادَواءٌ	وَخُلقُ السوءِ لَیْسَ لَہ دَواءٌ

ترجمہ : کہ ہر زخم کی دوا ہے لیکن بد خلقی کی کوئی دوا نہیں۔ ایک شاعر نے بد خلقی کے زخم کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ شعر

جِراحاتُ السِّنانِ لَھَا الْتِیَامُ	وَلَا یَلتامُ مَاجَرحَ اللِّسَانُ

ترجمہ : یعنی اگر کسی نے کسی کو تلوار و نیزوں سے زخمی کر دیا تو یہ جسمانی زخم تو بھر سکتا ہے لیکن اگر کسی نے بد خلقی اور زبان درازی سے دل کو زخمی کر دیا تو یہ زخم نہیں بھر سکے گا۔

غصہ اور ضبط دونوں فطری : ہم یہ نہیں کہتے کہ غصہ کی بات پیش آئے تب بھی غصہ نہ آئے، کیوں کہ غصہ کی بات پر غصہ آنا نہ صرف انسانی فطرت ہے بل کہ کبھی وہ موافق شریعت بھی ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ قرآن شریف اور شریعت میسرہ نے ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا ہے کہ ہمیں غصہ نہ آئے بل کہ اس کا مکلف کیا ہے کہ غصہ آ جائے تو ضبط کریں اور اسے پی جائیں اور معاف کر دیں چناں چہ قرآن نے "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ" کہا ہے۔ "وَالْعَادِمِیْنَ الْغَیْظَ" نہیں کہا ہے کہ غصہ نہ آئے۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۱/ ۱۹۵)۔

کیوں کہ غصہ آنا جس طرح انسانی فطرت ہے اس طرح اسے پی جانا بھی انسانی فطرت ہے، تب ہی تو شریعت نے ہمیں اس کا مکلف بنایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے دو گھونٹ اللہ کو بہت پسند ہیں ایک غصہ کا گھونٹ دوسرا صبر کا۔

ضبط غصہ کا بس پہلا قدم : مقتدیوں کو بتائیں کہ غصہ پینے کی مشق کرنے اور اس کی عادت ڈالنے سے ہی غصہ ختم ہوگا اور اس کی عادت بدلے گی۔ ابتداء أبالقصد غصہ کو ضبط کرنا ہوگا اس میں بوجھ پڑے گا پھر ان شاء اللہ دھیرے دھیرے یہ چیز دور ہو جائے گی۔ انہیں بتائیں کہ

وہ اپنے اندر حلم وتحمل کی صفت پیدا کریں جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی صفت ہے، بل کہ خود اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے۔

حدیث شریف میں ہے ”مَا احدٌ اَصبرُ علی اذیً یَسمعُه مِنَ اللهِ یَدعُوۡنَ لَه الولدَ ثُمَّ یُعافِیۡهِمۡ ویَرۡزُقُهُمۡ“۔ (مشکوٰۃ ۱۳)۔کسی تکلیف دہ کلمہ کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر وتحمل کرنے والا کوئی نہیں کہ لوگ (مشرک) اللہ کے لیے اولاد قرار دیتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ کی بھی ہماری اولاد کی طرح اولاد ہے) پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو عافیت بخشتے ہیں اور رزق عطا کرتے ہیں۔ دیکھا اللہ تعالیٰ کتنے حلیم ہیں، کہ اللہ کے بندے ہو کر اللہ کے لیے نسب اور اولاد ثابت کرتے ہیں جو کتنا بڑا جرم اور کتنی بڑی نافرمانی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نہ سزا دیتا ہے نہ پکڑ کرتا ہے نہ ان کی روزی روٹی بند کرتا ہے بل کہ عافیت وروزی کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور مہلت دیتا ہے۔ مقتدیوں کو بتائیں کہ اگر وہ اپنے اندر سے غصہ کو ختم کریں گے اور حلم کی صفت پیدا کریں گے تو وہ ایسا محسوس کریں گے گویا کوئی کھوئی دولت پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کا چین اور سکھ نصیب فرمائیں۔

تیسرا درجہ

تیسرے درجہ میں وہ منکر چھڑانا ہے جو دوسرے درجہ کے منکر سے بڑا ہو لیکن بالکل عمومی ابتلا کا منکر نہ ہو۔ اس کی ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مثال: جو لوگ مخصوص چوپالوں اور بیٹھکوں پر رات ودن بیٹھ کر نہ صرف اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں بل کہ ان مجلسوں سے ہنسی مذاق، غیبت، ناجائز کھیل، کسی سے حسد وعداوت بھڑکانے کی برائیاں بھی جنم لیتی ہیں اور آدمی کو گنہگار بناتی ہیں، ایسی مجالس اور ان کے برے مشاغل سے بچانا اور روکنا ہے۔ جو حضرات اوقات کی قدر کرتے ہیں ان کے یہاں تو

ان کی قیمت سونے سے کم نہیں ان کے یہاں اوقات ضائع کرنا خودکشی کے مرادف ہے۔ جیسے کہ اس کی اہمیت کو حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ان چوپالوں اور بیٹھکوں کی صحبت بہت زیادہ قابل انسداد ہے ملاحظہ ہو۔ (خطبات حکیم الامت ۳۰ ص ۷۴) ایسے کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں وہ کوئی زیادہ مقدار میں نہیں ہوتے، کیوں کہ اکثر لوگ اوقات کی حفاظت کر کے دینی ودنیوی فوائد حاصل کرنے کی اہمیت جانتے ہیں اور ضیاع اوقات کے ذریعہ دینی ودنیوی نقصانات کرنا نہیں چاہتے، ہاں کچھ لوگ خواہشات کی پیروی میں اس کے عادی بنکر پھر پوری آبادی کا ماحول خراب کرتے ہیں۔

ظاہر ہے ان مجلسوں میں بیٹھ کر زبان کی غیبت چغلی، جھوٹ اور مذاق وغیرہ سے حفاظت ایسی ہی ناممکن ہے جس طرح کوئی پانی میں داخل ہو اور کپڑے تر نہ ہوں۔ کیوں کہ ہم کوئی فرشتے نہیں کہ گھنٹوں بیٹھیں اور زبان سے برائیاں سرزد نہ ہوں اور زبان کی حفاظت ایسی اہم چیز ہے جس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان کو ہنستے دیکھ کر فرمایا بیٹا تو پل صراط سے گزر چکا ہے کیا تجھے اپنے لیے معلوم ہو چکا ہے کہ تو جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ کہا نہیں فرمایا پھر یہ ہنسی کیسی؟ اس کے بعد کبھی اس لڑکے کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے: ذکر اللہ کے علاوہ ہر کلام لغو ہے۔۔۔ غور وفکر کے بغیر ہر خاموشی غفلت ہے۔۔۔ عبرت کے بغیر ہر نظر لہو ولعب ہے۔۔۔ اور فرمایا مومن بولتا کم اور کرتا زیادہ ہے۔۔۔ منافق کرتا کم اور بولتا زیادہ ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اس شخص کے لیے ہلاکت وبربادی ہے جو کوئی باتیں بنا کر دوسروں کو ہنسائے۔ فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم میں

یہ جملہ نقل کیا ہے کہ سونے والے اور باتیں کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔یعنی بہت زیادہ سونے والے اور باتیں کرنے والے کے پیچھے (روضۃ الصالحین ۱/۱۱۹)۔

ایک حدیث شریف کا خلاصہ ہے کہ آپ نے تمام بھلائیوں کے دروازے اور دین کی جڑ اس کا ستون اس کی بلندی اور ان سب کی جڑ اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کو بولنے سے روک لو۔اس حدیث پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ خاموشی کا کتنا بڑا مقام آپ نے بیان فرمایا ہے۔اسی وجہ سے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کا مقام ہر ایک جانتا ہے اتنے بلند درجہ کے باوجود فرماتے تھے۔کاش میں گونگا ہوتا سوا ذکر اللہ کے۔" وِلِذَا قَالَ الصِّدِّیْقُ لَیْتَنِیْ کُنْتُ اخرسَ اِلا عن ذِکرِ اللہِ" (مرقات شرح مشکوۃ ۱/۱۰۶)۔

دوسری مثال : اولاد کی تربیت سے پہلوتہی کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا۔ان کو اس دلدل سے نکال کر اور اولاد کی تربیت پر متوجہ کر کے زیور تربیت سے آراستہ کر کے پورے معاشرے کو معطر اور خوش نما بنانا ہے۔کچھ لوگ تربیت اولاد سے ایسے غافل ہیں کہ نہ دنیوی تربیت کی طرف ان کا دھیان ہے نہ دینی۔انہیں اپنی اولاد کی قیمت وقسمت کا کوئی احساس ہی نہیں صرف روزی روٹی کے چکر میں پھنسے رہ کر اپنی زندگی کو برباد کر رہے ہیں۔

حالاں کہ کچھ بچے اعلی فطری صلاحیت پائے ہوئے ہوتے ہیں وہ خاندان، پورے معاشرے کا نام روشن کر سکتے ہیں بل کہ ملت ومذہب کو ترقی دے سکتے ہیں لیکن جب ہی کہ ان کی صحیح طریقہ سے تربیت کی جائے۔اسی لیے ایک شاعر کہتے ہیں کہ یتیم وہ بچہ نہیں جس کے والدین انتقال کر چکے ہوں اور اسے بے سہارا چھوڑ گئے ہوں، بل کہ یتیم وہ ہے جس کی ماں ہو لیکن تربیت نہ کرتی ہو اور باپ بھی ہوں لیکن کام کاج سے ہی فارغ نہ ہو۔

ماں باپ اولاد کی تعلیم وتربیت میں جو وقت اور پیسہ صرف کریں گے اس کے لمحے لمحے اور پیسے پیسے پر اجر وثواب دیا جائے گا اور وہ صدقۂ جاریہ شمار ہوگا۔ بچہ کو بچپن سے ہی کرتا پائجامہ اور ٹوپی پہنائی جائے اور سب سے پہلے کلمہ سکھایا جائے۔

یہ دونوں مثالیں ایسی ہیں کہ پہلی عادت (غلط مجلسیں) ختم کرنے سے دوسری عادت (تربیت اولاد) اور دوسری عادت ختم کرنے سے پہلی عادت کے مٹانے اور ختم کرنے میں تقویت ومدد حاصل ہوگی۔

اصول تربیت کا اشارہ قرآن وحدیث سے

حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریمؑ کے پاس جاتے تو وہاں کچھ بے موسم پھل پاتے تو حضرت مریم سے پوچھتے اے مریم یہ پھل تمہارے پاس کہاں سے آئے تو حضرت مریمؑ فرماتی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ''كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ '' (ال عمران ۳۷)۔ اس سے قرآن نے تربیت اولاد کے اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ماں باپ اور نگراں کو اولاد کے احوال پر دھیان دینا چاہیے کہ اولاد کیا کر رہی ہے؟ کیا کھاتی ہے؟ کیا پیتی ہے؟ ان کے پاس کیا کیا چیزیں آتی ہیں؟ کہاں سے آتی ہیں؟ بچے کہا جاتے ہیں؟ کس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں؟ ان کی زبانوں کے بول کیسے ہوتے ہیں؟ وغیرہ۔ اب اس تربیت پر روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے لے کر اس کو منہ میں رکھا اور کھانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کخ کخ'' (یعنی گندا گندا یا ڈال دو ڈال دو) پھر آپ نے فرمایا ''أَمَا شَعَرْتَ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ'' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم

صدقہ کا مال نہیں کھا سکتے (مشکوٰۃ ۱۶۱)۔علماء اسلام فرماتے ہیں اما شَعَرْتَ (کیا تم نہیں جانتے) یہ جملہ بطور تعجب اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بڑا شخص عقلمندی کے خلاف کام کرے کہ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کام نہیں کیا جاتا۔سوال یہ ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ حضرت حسنؓ سے کیسے فرمایا حالاں کہ وہ تو ناسمجھ بچے تھے؟ تو علماء حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹے بچے کو کہہ کر سنایا ہے بچوں کے والدین کو کہ تمہیں معلوم نہیں تمہارے چھوٹے بچے کیا کر رہے ہیں؟ یعنی یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم ان کی دیکھ بھال کرو اور جب وہ برے کام کریں تو تم ان کو برے کاموں سے بچاؤ۔[۱]

تدابیر

پہلی تدبیر : ہفتے میں دو بار ۱۵ منٹ اس موضوع سے متعلق اچھا مواد جمع کر کے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ان مجلسوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو اور ان کے نقصانات کو اجاگر کیا جائے اور تضییع اوقات کے نقصانات کو واضح کیا جائے، اور اس کے بالمقابل ان اوقات کو ان سے بچا کر دینی امور میں صرف کرنے کے فضائل وفوائد سمجھائے جائیں۔ جب دو تین ہفتے سمجھا لیں تو بیٹھکوں کے اوقات میں بیٹھکوں سے تھوڑے فاصلے سے آپ نیچی نگاہ سے گزر جائیں اور نظر بچا کر دور سے دیکھتے رہیں کہ وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو جانے اور چھپنے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں یا نہیں۔

اگر پہلی صورت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا احترام کرنا چاہتے ہیں اور یہ واضح ہو گیا کہ آپ کی محنت الحمد للہ رنگ لا رہی ہے لہٰذا آپ دوسرا راستہ بدل کر نکل جائیں، اور اس کی

[۱] راقم نے اسی موضوع پر بنام ''اولاد کی تربیت میں اسلامی کردار'' کتاب تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل تحریر کی ہے جو ۲۰۱۳ء سے گجرات ادارۂ صدیق ڈابھیل سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ الحمد اللہ بہت مفید ثابت ہوئی۔لہٰذا اس کا مطالعہ اولاد کی تربیت میں مفید ہوگا۔

مزید محنت جاری رکھی جائے۔اور اگر دوسری صورت ہے تب بھی راستہ بدل کر نکل جائیں اور دو چار ہفتے مزید سمجھانے میں صرف کریں پھر وہاں سے گزریں اس طرح یقین ہو جانے تک محنت وکوشش کرتے رہیں۔

دوسری تدبیر: دو تین ہفتے ۱۵ منٹ سمجھانے کے بعد بیٹھک کرنے والوں میں سے اپنے سے قریب شخص کو یا جس میں کچھ سمجھداری محسوس ہو اس کو انفرادی ملاقات سے سمجھائیں، پھر مذکورہ بالا تدبیر اختیار کریں اور ان کو شرم وحیا پر آمادہ کریں۔ان شاءاللہ ایک وقت آئے گا کہ یہ بیٹھکیں اپنی غربت وحشت پر حسرت کے آنسوں بہائیں گی۔اور ساتھ ہی اولاد کی تربیت کے فوائد بھی پیش کرتے رہیں گے اور تربیت کرنے والے اور اس کی اولاد کی مثالیں پیش کریں گے کہ معاشرے میں ان کی کیسی عزت ہے تو ان شاءاللہ وہ سمجھنے پر آمادہ ہوں گے پھر وہ لوگ اس سے باز آجائیں گے۔

چوتھا درجہ

اس درجے میں وہ منکرات ہیں جو تیسرے درجے کے منکر سے بڑے بھی ہوں اور ان کو چھوڑنا بھی کچھ مشکل ہو۔

پہلی مثال: ان لوگوں کو جو مواضع تہمت پر آمد ورفت رکھتے ہیں، اور شکوک وشبہات میں ڈالنے والے اعمال اختیار کرتے ہیں مثلاً دن بھر گناہوں میں مبتلا رہنے والوں کے ساتھ نشست وبرخواست رکھتے ہیں اور قرائن بھی ان گناہوں کے ارتکاب پر قائم ہوں لیکن آنکھوں سے گناہ کرتے دیکھا نہ ہو تو ان کو ان گناہوں کی جگہوں سے اور ان اعمال سے بچانا ہے چاہے زنا، شراب، سود اور رشوت وغیرہ کی جو بھی تہمت کی جگہیں ہوں۔

لیکن اس بارے میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ کیوں کہ خواہ مخواہ کسی سے صرف بدظنی سے اس کو مورد تہمت بنانا بڑا گناہ ہے۔ بعض دفعہ تہمت کی ظاہری علامتیں تو پائی جاتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ آدمی اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک آدمی کے بارے میں لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ فلانی عورت سے زنا کا مرتکب ہے اور دلیل صرف اتنی ہے کہ اس عورت کے ساتھ ظاہر میں ملتا ہے دلیل یہ نہیں کہ اسے اس کے ساتھ زنا کرتے آنکھوں سے دیکھا ہے تو ظاہر ہے صرف اتنی بات پر زنا کی تہمت بری بات اور بڑا گناہ ہے۔

جس طرح کسی کے منھ سے شراب کی بدبو آنے پر شراب پینے کی تہمت درست نہیں ہے جب تک شراب پیتے دیکھ نہ لیا جائے۔ چناں چہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی کے منھ سے شراب کی بو آئی تو اس کو حد لگائی۔ یہ کچھ طویل روایت ہے (مشکوۃ ۱۹۳)۔ علماء اسلام فرماتے ہیں کہ کسی کے منھ سے محض شراب کی بو آنے پر حد لگائی نہیں جاسکتی جب تک وہ شراب پینے کا اقرار نہ کرلے یا گواہوں سے ثابت نہ ہوجائے۔ کیوں کہ بعض دفعہ ترش سیب اور امرود کے کھانے کی بو بھی شراب جیسی ہوتی ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں بھی یہی مسئلہ بیان ہوا ہے کہ صرف بدبو کی وجہ سے یا شراب کی قئی کرنے کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی۔ (ہدایہ ۵۱۶/۲ اور قدوری ۲۱۷)۔

مسلمان اور پردہ پوشی

بل کہ سیرت طیبہ اور احادیث نبویہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ہم نے کسی مسلمان کو کسی صریح گناہ کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو تب بھی ہمیں اس کا حکم ہے کہ اس گناہ کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔۔۔اس پر پردہ ڈالیں۔۔۔اور اپنے دل کو سمجھانے کے لیے اس کے

فعل کی کوئی اچھی تاویل کریں۔

شرعی واخلاقی ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ایک مسلمان کے گناہ کی تاویل کریں چاہے ہم نے اسے گناہ کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔نہ ہمیں اس گناہ کے افشاء کی اجازت ہے نہ دل سے اس شخص کو برا سمجھنے کی اجازت ۔

مثلاً اگر ہم نے کسی کو شراب پیتے دیکھ لیا تو اپنے دل کو سمجھانے کے لیے یہ تاویل کریں کہ وہ شراب نہ ہو۔۔۔بل کہ کوئی حلال چیز ہو۔۔۔یا شراب ہی ہو لیکن حد سکر کو پہنچی ہوئی نہ ہو۔۔۔یا علاجاً پیا ہو۔۔۔یا جبراً پیا ہو وغیرہ۔۔۔اس طرح کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا تو یہ تاویل کریں کہ میرے دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو۔۔۔یا وہ اجنبیہ عورت نہ ہو بل کہ خود اس کی بیوی ہو۔۔۔یا اجنبیہ ہو لیکن اس سے غلطی ہو گئی ہو وہ اپنی بیوی سمجھ بیٹھا ہو۔۔۔یا اجنبیہ نہ ہو بل کہ اس سے نکاح کر رکھا ہو اور مجھے اس کا علم نہ ہو۔۔۔یا وہ زنا پر مجبور کیا گیا ہو وغیرہ۔احادیث میں ان سب کا ذکر ہے،حتی کہ کسی سے اگر حد لازم ہونے والا کبیرہ گناہ صادر ہو تب بھی حتی الامکان (گناہ ثابت نہ ہونے تک) حد کو ٹالنے کا حکم کیا گیا ہے۔ارشاد ہے ''اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ''(مشکوۃ ۳۱۱)۔

اور اس طرح کا واقعہ بھی ماعز اسلمی اور غامدیہ عورت کا مذکور ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۳ مرتبہ تک اقرار زنا کے بعد بھی واپس کیا حد جاری نہ کی اور چوتھی مرتبہ بھی ثبوت زنا کے لیے ''هَلْ ضَاجَعْتَهَا ،هَلْ بَاشَرْتَهَا ،هَلْ جَامَعْتَهَا '' سے اقرار کرایا تب حد جاری کی (مشکوۃ ۳۱۲)۔قربان جائے اسلام پر کہ اس نے معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے لیے کس قدر بلند اصول عطا فرمائے ہیں۔

اور اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس شکوک وشبہ والے آدمی کے ساتھ ملنے والا کوئی اس کا دوست ہوتو اسے بھی صرف اس سے تعلق کی وجہ سے شکوک وشبہات کی نظروں سے دیکھنا یا اس پر بھی وہ تہمت لگانا پہلے سے بھی بڑھ کر بری بات اور بڑا گناہ ہوگا۔محض اتنی سی بات پر کہ وہ اس سے تعلق رکھتا ہے تہمت لگانا یا شبہ پیدا کرنا کیسے درست ہوگا؟ ظاہر ہے کہ تعلقات کی کئی وجوہات ہوتی ہیں پھر زنا ہی کی جانب کو ترجیح دینا کتنی غلط سوچ اور بے اصل بات ہے۔خیر یہاں بات ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی ساری حرکات وسکنات اور اکثر کردار اس کے شاہد ہوں کہ وہ ایسے ہوں گے تو ان کو مواضع تہمت سے بچانے کی کوشش کی جائے۔

◀ **تدبیر** : سب سے پہلے اس کو برے ماحول سے جدا کیا جائے، غلط تعلقات منقطع کرائے جائیں پھر اچھے ماحول سے جوڑ دیا جائے اور اچھے ہم نشین میسر کئے جائیں اور پوری طرح نگرانی رکھ کر مضرت کے پہلو سے بچا کر مفید پہلو کی طرف راہ نمائی کی جائے۔

مثلاً نماز کا اہتمام کرایا جائے کہ نماز خود بری باتوں سے روکنے کا ذریعہ ہے۔نیز ایسے لوگوں کو آخرت کی فکر دلائی جائے۔تعلیمی حلقوں اور دعوتی گشتوں میں ساتھ رکھے جائیں۔ اور معاش کی فکر اور بیوی بچوں کی ذمہ داری نبھانے کی فکر میں مصروف رکھے جائیں۔اور ان کو سمجھایا جائے کہ یہ سب تمہاری ذمہ داریاں ہیں۔اور اس طرح بھی سمجھائیں کہ کسی شخص کو اس کی قوم اس کی غلط کاری کی وجہ سے بری نظر سے دیکھ لیتی ہے تو پھر لوگ اس سے اپنے لین دین بات چیت اور رشتہ ناتہ میں دور رہتے ہیں اور وہ شخص اپنی قوم میں اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے۔اور بطور خاص ان کی ہدایت کی دعا کی جائے۔

دوسری مثال : قوم وبرادری میں پھیلتی بدظنی کو روکنا ہے۔عامۃً جو بھی قطع تعلق،

لڑائی جھگڑا اور تہمت اور جھوٹی گواہی وغیرہ گناہ کے کام قوم میں جڑ پکڑتے ہیں ان کی بنیاد بدظنی ہوتی ہے۔ بدظنی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی بات سامنے آئے تو اس کی تحقیق کرنا چاہیے صرف بدظنی کی بنیاد پر اسے سچ اور صحیح تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ نیز جھوٹ، گالی گلوچ، حسد اور کینہ سے بچانا یہ سب ہی اس کی مثالیں بن سکتی ہیں۔ پہلے ان کے برے نتائج اور ان سے بچنے کے فوائد بتائے جائیں اور ان کی ضدوں مثلاً سچ، نرم کلامی، ہمدردی کو اور ان کے درمیان فرق کو سمجھایا جائے۔

پانچواں درجہ

اس درجہ میں وہ منکرات شامل ہیں جو بڑے بھی ہیں اور لوگوں میں کچھ عام بھی اور ان سے بچنا کچھ زیادہ مشکل ہو۔

پہلی مثال : عورتوں میں عام بے پردگی، مرد وزن کا سڑکوں پر عام اختلاط، بے شرمی و بے حیائی اور علی الاعلان بدنظری ہے۔

ائمہ حضرات اپنے ماتحتوں کو ان گناہوں اور خرابیوں سے باہر نکالیں، لوگ ان گناہوں میں ڈوب چکے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی اور انہیں اپنے ڈوب جانے کا نہ کوئی احساس ہے اور نہ کوئی خطرہ۔ اگر اس وقت ان کو کھینچ کر باہر نہیں نکالا تو یہ خرابیاں مستقبل میں زنا، ولدزنا، اختلاط نسب، طلاق اور قتل وخون کا ذریعہ بن جائیں گی پھر ان سے واپس لوٹنا دشوار ہو جائے گا۔ بل کہ کچھ نقصانات تو ابھی دیکھے بھی جا رہے ہیں۔

تدابیر

پہلی تدبیر : سب سے پہلے تو ان میں سے ہر ایک کی جو اہمیت شریعت میں وارد

ہے وہ بتائی جائے یعنی پردے کی، شرم وحیا کی، مردوزن کے اختلاط سے بچنے کی اور بدنگاہی سے بچنے کی۔ پھران سے نہ بچنے کے خطرات اوراس کے نقصانات بتائے جائیں، کہ اگر یہ ماحول ختم نہ کیا گیا تو ماں بیٹیوں کی عصمتیں خطرے میں پڑ جائیں گی اور پورا معاشرہ برائیوں اور بدامنی کے دلدل میں پھنس جائے گا، پھر وہ خدائی رحمت سے دور جا گرے گا اور زمینی وسمائی آفتوں کا شکار ہوجائے گا، نیز ان کے بجالانے کے فضائل وفوائد سمجھائے جائیں۔

مثلاً پہلے تو ان سب کی جڑ شرم وحیا پر لایا جائے، ان کو بتایا جائے کہ حیا ایمان کا ایک خاص شعبہ ہے۔ حیا ایک تو فطری ہوتی ہے جو تمام انسانوں میں ہوتی ہے اس میں مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں۔ حیا کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انسان کو غلط کام سے بچنے پر آمادہ کرتی ہے اور صاحب حق کو حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے۔ مثلاً ستر کھولنا اور کھلے طور پر زنا کرنا وغیرہ۔ اور ایک ایمانی حیا ہے۔ ایمانی حیا اس اچھی عادت کو کہتے ہیں جو ایمان کے سبب آدمی کو برے کام سے روکے چاہے جو بھی کام ہو۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حیا کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مالک تمہیں اس جگہ نہ دیکھے جہاں اس نے تم کو جانے (کرنے) سے روکا ہے۔ "حقيقةُ الحياءِ ان مَولاكَ لايَراكَ حيثُ نهاكَ"۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۱/۷۰)۔

حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ سے حیا کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب کوئی شخص ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھے اور دوسری طرف اپنی کوتاہیوں کو دیکھے ان دونوں کی وجہ سے جو حالت بنے اس کو حیا کہتے ہیں۔ "سُئِلَ الجُنيدُ رحمه الله عَنِ الحياءِ فَقَالَ رُويةُ الآلاءِ وَرويةُ التقصِيْرِ فَيَتولّدُ مِنْ بَينهِمَا حالةٌ تُسَمّٰى الحياءُ"۔ (استحقار)۔ پھر حیا کی چند قسمیں ہیں حیاء جنایت، تقصیر، اجلال، کرم، حشمت اور استحقار۔ (تعلیق الصبیح ۱/۲۳)

عملی قدم کا جادو لوگوں میں اور ان کے گھروں میں پردہ۔۔۔ اور شرم وحیا۔۔۔ پیدا کرنے کے لیے ان کو یہ بتایا جائے کہ پردہ اور شرم وحیا پر صرف ۲/۵ تقریریں سننے سے اس کا اتنا ماحول قائم نہ ہوگا جتنا اس پر عملی ایک قدم اٹھانے پر۔ اس کی ایک مثال سمجھئے: کسی کے گھر میں نئی بہو آئی وہ شرم وحیا کے لحاظ سے کسی اور کاموں سے اتنی متاثر نہیں ہوگی جتنی اپنے خسر یا جیٹھ (شوہر کے بڑے بھائی) کے گھر میں داخلہ کے وقت سلام کرنے سے۔

خسر اگر گھر میں سلام کر کے داخل ہو تو وہ بہو فی الفور متاثر ہوگی اور یہ سمجھ لے گی کہ میرے خسر باحیا ہیں اب وہ ان کے سامنے کھلے سر نہیں آئے گی۔ اس کے برخلاف اگر خسر بغیر سلام کے گھر میں داخل ہو اور بہو بھی غیر سنجیدہ ہو تو دھیرے دھیرے بے دھڑک کھلے سر سامنے آنا شروع کر دے گی۔ اسی طرح اگر بہو باحیا ہے اور خسر صاحب ذرا غیر سنجیدہ ہیں تو بہو کو چاہیے کہ ذرا ادبی لہجہ میں خسر صاحب سے کہے یا ساس سے کہلائے کہ ابا جان اگر گھر میں داخلہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ''سلام'' یاد نہ رہے تو یاد رکھنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کر لی جائے جس سے یہ سنت یاد آجائے تو سنت بھی زندہ ہو جائے اور ہم سب گھر والوں کو آپ کی جانب سے سلامتی کی دعا بھی مل جائے۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے خسر باحیا بنیں گے اور ان کا ذہن بھی اس طرف نہیں جائے گا کہ بہو مجھے غیر سنجیدہ سمجھ کر اصلاح کر رہی ہے۔

اس طرح کے گھروں کے باحیا نظام کا اثر پورے معاشرے پر پڑے گا۔ کیوں کہ ہم سایہ لوگ بھی اس طرح کے احوال دیکھیں گے کہ بہو اور خسر اس طرح رہ رہے ہیں تو وہ بھی متاثر ہوں گے۔ اور جب ہمارے رشتہ داروں کی بکثرت آمد ورفت ہوگی تو وہ بھی یہ حالات دیکھ کر تاثر لیں گے۔ اور یہی بہو اور خسر جب بازار وغیرہ جگہ میں جمع ہوں گے تب بھی ایک دوسرے سے حیا

کریں گے کیوں کہ گھر میں حیا کا نظام قائم ہے اور لوگ اسے دیکھیں گے تو بازار کے ماحول پر بھی حیا کا رنگ چڑھے گا اور ان شاء اللہ معاشرہ پردہ وحیادار بنے گا۔

پھر پردے کی اہمیت بتائی جائے۔ جن حضرات کی نظر قرآن وحدیث پر ہے وہ اس کی اہمیت کو جانتے یں۔ پردہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پردہ عورت کی عصمت کا ضامن ہے جب عورت پردے میں رہتی ہے تب تک اس کی عزت وعصمت محفوظ رہتی ہے۔ عورت کہتے ہی ہیں ستر یعنی پردہ کو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جب عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت تھی تب بھی ان پر چند شرطوں کی پابندی تھی۔

مثلا یہ کہ وہ پردے میں آئیں، خوشبو لگا کر نہ آئیں، زینت اختیار نہ کریں، نماز کی صفوں میں جب کہ مرد وعورت ایک ہی جماعت سے نماز ادا کریں تو عورتوں کی پہلی صف کو برا اور آخری صف کو اچھا کہا گیا ہے کیوں کہ آخری صف بنسبت پہلی صف کے مردوں سے دور ہوگی۔ پردہ کی اہمیت پر ایک زریں جملہ کسی نے بیان کیا ہے کہ "نِعمَ الصھرُ القبرُ" کہ عورت کا بہترین سسرال قبر ہے یعنی عورت کتنا ہی پردہ کا اہتمام کرے لیکن کچھ نہ کچھ تو کوتاہی ہو ہی جاتی ہے جب تک وہ اپنے حقیقی سسرال قبر میں نہ پہنچ جائے کہ تب ہی اس کا مکمل پردہ ہوسکتا ہے۔

راستوں اور سڑکوں پر بھی عورتوں کو حکم یہ ہے کہ راستوں کے بیچ نہ چلیں بل کہ کنارے پر چلیں۔ لہٰذا ان کو مردوں کے ساتھ مل کر راستوں پر چلنے اور بدنظری سے روکا جائے۔ حضرت ابو اُسید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا جب کہ آپ مسجد سے باہر تھے اور راستے میں مرد اور عورتیں ملے ہوئے تھے، عورتو تم پیچھے ہٹ جاؤ تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم راستے میں (مردوں سے) مزاحمت کرو تمہیں راستے کے

کنارے ہی چلنا چاہیے، ابواسیدؓ کہتے ہیں آپ کے ارشاد کے بعد عورتیں راستوں کے کنارے پر بنے ہوئے مکانوں کی دیواروں سے اس قدر سمٹ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔ (ابوداؤد ۲/ ۷۱۴)۔

اور زینت کے بارے میں ان کو باخبر کیا جائے کہ عورتوں کو زینت اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے لیکن وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر کے لیے ہے، گھر سے باہر زینت اختیار کر کے اور خوشبو لگا کر اس طرح نکلنے کی اجازت نہیں کہ لوگ ان کو دیکھنے کی طرف مائل ہوں۔ ان کو جاذب نظر باریک کپڑوں اور چست کپڑوں کو پہننے سے روکا جائے اور ایسے ناقص کپڑوں سے بھی روکا جائے جن میں کوئی عضو کھلا رہے۔ ان کو موٹے، کھلے اور مکمل کپڑوں کے پہننے پر مجبور کیا جائے۔

ان کو بتایا جائے کہ یہ مقولہ مشہور ہے۔ ''اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ'' کہ لوگ لباسوں سے پہچانے جاتے ہیں، لباس کسی قوم کا تعارف ہوتا ہے۔ کتنی قومیں اپنی وضع قطع کی پابند ہیں، مسلمانوں کو تو بطریق اولی اپنے مذہبی لباس کا محافظ ہونا چاہیے، یہ لباس ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ یہ سب مقتدیوں کو بتانے کے بعد عورتوں تک پہونچایا جائے اور سختی سے کہا جائے کہ آئندہ اس طرح کی خرابیوں سے ملوث کوئی پائی نہ جائے۔

⬅ دوسری تدبیر: اولیاء کے ذریعہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر بے پردگی، بے شرمی، بدنظری اور اختلاط پر پابندی لگائی جائے۔ معاشرتی پابندی کے لیے اجتماعی مشوروں کی ضرورت پڑے تو اسے بھی انجام دیا جائے۔ چوں کہ معروفات کے مختلف درجات سے منکرات کے اس درجہ تک گاؤں کی اکثریت آپ کے اس کام کی حمایت کر چکی ہوگی تو اس طرح کا اقدام بھی ممکن ہے۔

تیسری تدبیر: اس طرح سمجھانے کے کچھ عرصہ بعد ائمہ حضرات اپنے ساتھ آبادی کے باوقار چند افراد کو لے کر سڑکوں پر نکلیں، اور کچھ کہے ٹوکے بغیر صرف معاینہ کریں اور ان میں سنجیدگی سے شرم وحیاء اور وقار لانا سکھائیں۔ اس طرح کہ وہ آپ کو دیکھ کر کترانے لگیں اور دب کر چلنے لگیں، اگر یہ صورت ہے تو سمجھئے آپ کی محنت رنگ لا رہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اگر کچھ زمانہ کے بعد بھی عورتیں ایک طرف نہ چلیں اور لڑکے اور لڑکیاں ساتھ چلیں تو چند باوقار آدمی علی الاعلان بھرے بازار میں ٹوک دیں۔ ایسا ایک دو مرتبہ ہوگا تو اس سے ان شاء اللہ یہ فتنہ دب جائے گا۔

دوسری مثال: مردوں کو ڈاڑھی رکھنے پر آمادہ کرنا ہے۔ ڈاڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اسلامی شعار ہے۔ ڈاڑھی نہ رکھنے والا ہر وقت گناہ میں مبتلا رہتا ہے۔ ڈاڑھی سے آدمی کی عزت ہوتی ہے۔ وہ شرافت و پاکدامنی کا ذریعہ ہے۔ عامۃً تاجر اور کسان طبقہ تو ڈاڑھی رکھتا ہے، زیادتر ملازم طبقہ بے ریش رہتا ہے۔ اور جب ملازمت سے رٹائر ہو جاتا ہے تو اکثر طبقہ پھر رکھ لیتا ہے۔ کیا ڈاڑھی رکھنے سے ان کی جان کو خطرہ ہے؟

تو پھر بہت سے علماء اور تبلیغی وہ حضرات جو مکمل علماء کی ہیئت میں رہتے ہیں ان کو تو کوئی خطرہ نہیں کیا ملازمت سے نکالنے کا خطرہ ہے؟ تو ملازمت میں بھی کچھ پابند شرع لوگ نہ صرف معمولی عہدوں پر بل کہ بڑے عہدوں پر ڈاڑھی کے ساتھ ملازمت کرتے ہیں ان کو کوئی خطرہ نہیں صرف آپ کو کیوں ہے؟ یہ صرف ایمانی کمزوری ہے اور نفس وشیطان کا فریب ہے۔ آپ حکمتوں سے ان کو سمجھا کر صحیح راہ پر لائیں۔ اختصاراً تفصیل سے اجتناب کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام درجات میں حکمت وتدبیر، خلوص و ہمدردی اور فکر صحیح اور طلب

صادق سے محنت جاری رہی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کی جاتیں رہیں اور فرداً افرداً ان کو نکالنے پر آپ ڈٹے رہیں تو ان شاء اللہ دھیرے دھیرے لوگ ان دلدلوں سے نکل آئیں گے اگرچہ کچھ مہینے لگ جائیں۔ کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے کچھ وقت تو لگتا ہی ہے، صرف کام شروع کر دینے سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو ہر شخص کام کرنے لگ جاتا ۔آپ ان عام برائیوں کو دیکھ کر نہ گھبرا جائیں نہ نا امید ہو جائیں۔ جو باتیں شروع میں پڑھ کر آئے ہیں انہیں دوبارہ پڑھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تن تنہا پورے معاشرے کو کیسے بدلا۔ نیز آپ کو صرف اس کے ظاہری اسباب اختیار کرنے ہیں کام میں تبدیلی لانا اس میں کامیابی دینا اللہ کا کام ہے آپ اپنا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا کام کریں گے۔

نیز ظاہری اسباب اختیار کرنے میں بھی آپ تنہا نہیں ہیں، مختلف جہتوں سے چاروں طرف کام کرنے والے آپ کے ساتھ ہیں ۔مثلا دعوت وتبلیغ ---- خانقاہ ---- مدارس ومکاتب---تصنیف وتالیف---اور دیگر تنظیموں سے، جن کے کام کرنے والے آپ کے رفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کی بھرپور مدد فرمائیں کہ ہم کمزور ہیں۔ ان درجات میں جو جو منکرات بتائے ہیں ان کو ایک ساتھ لے کر چلنا نہیں ہے بل کہ فرداً افرداً لے کر چلنا ہے۔ جب ایک پر تھوڑا کام ہوتا ہوا نظر آئے اور اس میں کامیابی کی امید ہو تو دوسرے کو شامل کرنا شروع کر دیں۔ پھر دوسرے میں کامیابی کی امید ہو تو تیسرے کو جوڑ دیں اس طرح حکمت سے کام لیں۔

چھٹا درجہ

اس درجہ کے کام بھی پانچویں درجہ کے کام کی طرح مشکل ہیں اور وہ ان ہی کی طرح ان ہی کے ہم مثل ہیں لیکن ان کو الگ درجہ میں بیان کر کے کام میں سہولت پیدا کی گئی ہے۔ اوپر

کے درجات میں کامیابی کا حاصل ہونا ان شاءاللہ اس درجہ کے منکرات کی کمر توڑ دے گا یعنی پانچوے درجہ تک پہنچنا ہی خود بخود چھٹے درجہ کی محنت میں قوت وہمت پیدا کر دے گا۔

پہلی مثال : مسلمانوں کوغیر شرعی طریقوں اور رسومات سے بچانا، چاہے وہ زندگی کے جس شعبہ سے متعلق ہوں۔ خصوصًا خواتین کو فیشن پرستی اور شادی بیاہ وغیرہ میں غیر اسلامی رسومات سے خوب بچانا، جو اسلامی طور طریقوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کرتی ہیں۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ذرا تفصیل ملاحظہ ہو۔

کن چیزوں میں : مثلاً دلہا ودلہن کے معاملات میں ۔۔۔ دلہن کی رخصتی میں ۔۔۔ شگون بد کے معاملہ میں ۔۔۔ بیجا اخراجات میں ۔۔۔ بے پردگی اور باریک اور چست لباس میں ۔۔۔ ولیمہ میں ۔۔۔ اسی طرح منگنی کرنے میں ۔۔۔ بچہ کی ولادت میں ۔۔۔ اس کی ختنہ کرنے میں ۔۔۔ اور عقیقہ کرنے وغیرہ میں ۔ انہیں سمجھائیں کہ یہ اسلامی طریقے نہیں ہیں اور انہیں فیشن پرستی سے نکالنے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لانے کے لیے ذیل وغیرہ کے انداز سے سمجھائیں۔

(۱) نکاح وشادی سے پہلے دونوں خاندان کے لوگوں جمع کر کے ذہن سازی کی جائے۔

(۲) خود دلہا اور دلہن کو بھی علیحدہ علیحدہ طور پر بیٹھ کر سمجھایا جائے۔

(۳) فکری بیانوں میں شریک کیا جائے۔

(۴) پڑھنے کے لیے فکری کتابوں کو مہیا کیا جائے اور پڑھنے کا جائزہ بھی لیا جائے۔

(۵) سنتوں کی عظمت ان کی برکتوں اور نورانیت کو خوب واضح کیا جائے۔

(٦) غیر اسلامی تہذیب کی نحوست اور اس پر کی جانے والی لعنتوں کو سمجھایا جائے۔

(۷)اس کے لیے دعائیں کی جائیں۔

قرآن وحدیث میں جابجا مسلمانوں کو دوسری قوموں کے افعال اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ کیوں کہ جب تک دوسری قوموں کے افعال وکردار سے اپنوں کو دور نہیں رکھا جائے گا اسلام کی افضلیت وبرتری کیسے واضح ہوگی؟ مخلوط کردار کے ساتھ اسلامی امتیاز اور اس کی خصوصیت کبھی نمایاں نہیں ہوگی۔ افعال وکردار میں غیروں کی مخالفت کرنا اسلام کو تقویت دینا ہے اور اس کی سچی ہمدردی کرنا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو دس بیس جگہ نہیں سینکڑوں جگہ دوسرے مذاہب کی پیروی کرنے سے اور ان کی اداؤں کو اختیار کرنے سے سختی سے روکا ہے۔ مثلاً۔

صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثالیں

(۱) نماز کی جماعت کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو آگ روشن کرنے ۔۔ ناقوس بجانے ۔۔۔ قرن بجانے وغیرہ کی رایوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ یہودی ونصاریٰ اور مجوس کا طریقہ ہے (مشکوٰۃ شریف ۶۳)۔

(۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خَالِفُوْا الْمشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوْا اللُّحٰی وَاحْفُوْا الشَّوَارِبَ'' (۸۰)۔

(۳) آپ نے فرمایا ''خَالِفُوْا الْیَہُوْدَ فَاِنَّہُمْ لَایُصَلُّوْنَ فِیْ نِعَالِہِمْ وَلَاخِفَافِہِمْ (مشکوٰۃ شریف ۷۳)۔ یہود کی مخالفت کرو یعنی موزوں میں اور جوتوں میں نماز پڑھو کیوں کہ وہ ان میں نماز نہیں پڑھتے۔

(۴) ہمیں سحری کھانے کا حکم دیا کیوں کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے روزوں اور ہمارے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے کہ وہ بغیر سحری روزہ رکھتے ہیں (۱۷۵)۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنازہ کے ساتھ جاتے تو جب تک اس کو زمین پر نہ رکھ دیتے آپ نہ بیٹھتے، جب یہودی عالم نے بتایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت میں بیٹھنا شروع کر دیا اور فرمایا خَالِفُوْھُمْ (۱۴۷)۔

(۶) مرض الموت میں فرمایا: ''لَعَنَ اللہُ الیَھُوْدَ وَالنَّصَارَی'' (۶۹) کہ یہودی ونصاریٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا پھر آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور اپنی امت کو فرمایا تم ایسا نہ کرنا۔

(۷) فرمایا ''نَظِّفُوْا اَفْنِیَتَکُمْ وَلَا تَشَبَّھُوْا بِالیَھودِ'' (مشکوٰۃ شریف ۳۸۵)۔ اپنے گھر کے آنگن کو صاف رکھو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

(۸) آپ جب استنجاء کے لیے بیٹھے تو مشرکین اور یہود نے مذاق اڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت کا حکم دیا (مشکوٰۃ عن سلمان وعن عبدالرحمن ۴۴)۔

(۹) یہود حائض عورتوں سے بالکل منقطع رہتے تھے ان کے ساتھ نہ نشست وبرخاست رکھتے نہ ان کے ساتھ لیٹتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت میں ہمیں سب چیزوں کی اجازت دی سوا جماع کے (مشکوٰۃ ۵۶)۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں ہم نے صرف نمونہ پیش کیا ہے۔

لہٰذا عبادتوں، کھانے پینے، نشست وبرخاست، بول چال اور شب وروز کے تمام کاموں میں اسلامی ہدایات ہی پر لوگوں کو چلایا جائے غیر قوموں کے افعال سے دور رکھا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ تین صحابہ آپ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئے، ان کو بتایا گیا کہ آپ رات بھر صرف عبادت نہیں کرتے بل کہ سوتے بھی ہیں۔ اور دن میں کبھی، روزہ کبھی افطار

کرتے ہیں اور آپ نے شادیاں بھی کر رکھیں ہیں، تو ان صحابہ کرام میں سے ایک نے رات بھر عبادت کرنے، دوسرے نے دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور تیسرے نے شادی نہ کرنے کی ٹھان لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب علم ہوا تو ان کو ان کاموں سے سختی سے روکا۔

اس حدیث شریف کی تشریح تو بڑی طویل ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ **حضرت شاہ اسحاق دہلوی** رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے علماء نے ہر ایسے کام کی مخالفت ونکیر ثابت کی ہے جو بدعت حسنہ رائج کرنے کو کار ثواب سمجھتے ہیں ۔کیوں کہ ان تینوں صحابہؓ نے جن اعمال کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ ازقسم عبادت تھے عام دنیوی اعمال نہ تھے وہ ازقسم عبادت ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھے کہ وہ سنت نبویؐ سے زائد تھے۔ (مظاہر حق ۱/ ۲۰۸)۔ اس سے سوچئے کہ جو کام ازقسم عبادت نہ ہوں اور وہ مخالف سنت ہوں اور کسی رسم ورواج یا غیر اقوام کے طور وطریق پر ہوں تو آپ ان سے کتنے ناراض ہوں گے۔

دوسری مثال : ماں باپ کی نافرمانی سے اور رشتہ داروں اور ہم سایہ لوگوں کے ساتھ قطع تعلق سے بچانا ہے۔ اب ہم بجائے اختصار صرف اشارۃً پیش کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ اکثر طبیعتیں اختصار پسند ہیں۔ لہٰذا اب اختصار کی بھی گنجائش نہیں۔

ساتواں درجہ

معروفات کے آخری درجہ کی طرح منکرات کا یہ درجہ بھی سب سے اہم ہے۔ جس میں قطعی محرمات ہیں۔ مثلاً، چوری، شراب نوشی، رشوت، سود، جوا، زنا، ناحق ظلم وقتل اور کسی کی ملکیت پر ناحق قبضہ وغیرہ سے لوگوں کو بچانا۔ ان سب کو فرداً فرداً لے کر ان کے نقصانات اور ان

سے بچنے کے فوائد سمجھا کر حکمتوں اور تدبیروں سے آگے بڑھتے رہیں۔ یہ چند دنوں کا کام ہے نہ چند مہینوں کا آپ اوقات پر سے نظر ہٹا کر صرف محنت وکوشش کرتے رہیں اور اس کے اسباب اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں کہ اے اللہ کیا کروں؟ کس طرح کروں؟ کس کو کہوں؟ کیا کہوں؟ ان شاءاللہ اللہ تعالیٰ اسباب وتدبیریں سب ہی کچھ اپنے لایزال خزانوں سے عطا فرمائیں گے۔ بس نظر صرف اللہ تعالیٰ پر مرکوز کر لیجئے کام بن جائے گا۔

مزید طریقۂ کار اور کام کی تدابیر

آپ نے معروفات ومنکرات کے درجات میں خصوصی وجزئی تدابیر کو ملاحظہ فرمایا ہے۔ یہاں چند عمومی وکلی ضروری تدابیر اور طریقہ کار کو بیان کیا جاتا ہے اس راہ نمائی سے آپ اپنے اصلاحی کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

تشخیص: جو بھی مسلمان مذہب کا احساس وشعور رکھتا ہے، یا جو بھی مسلمان دین کا اچھا خاصا پابند ہے ان میں سے کوئی بھی خلاف شرع جو بھی کام کرتا ہے، وہ نہ قصداً کرتا ہے اور نہ ہی خلاف شرع کا جذبہ رکھتا ہے، بل کہ جذبہ تو بہرحال اچھا ہی رکھتا ہے، لیکن جو بے دینی اختیار کرتا ہے وہ نتیجہ ہوتا ہے ”بوجہ ضعفِ ایمان“ بے فکری۔۔۔غفلت۔۔۔عادت۔۔۔حب جاہ۔۔۔حب مال۔۔۔ ریاکاری وغیرہ کا۔ لہٰذا جو ائمہ حضرات اس کو سمجھ لیں ان کے لیے ان کی اصلاح آسان ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ مرض کی تشخیص کر لی ہوتی ہے لہٰذا ان کا علاج ایمانی شعور لانا بے فکری غفلت اور عادت کو دور کرنا ہوگا۔ کام کی تدابیر سے پہلے ذیل کی نہایت ہی اہم صفات ملحوظ رکھیں۔

اصلاح سے قبل ضروری صفات

● اگر آپ فی الحقیقت مسلمانوں میں اصلاح کے خواہش مند ہیں تو سب سے پہلے ایک عہد ضرور فرمائیں۔ وہ یہ کہ آپ لوگوں کے مال ومتاع ''وَمَا عِنْدَهُمْ'' سے بالکل مستغنی ہوجائیں۔ ان سے ایسا استغناء اختیار کریں جیسے بکری کے مالک کا مری بکری سے اور جیسے مالدار کا غرباء سے۔

● اصلاح ناس کے لیے مصلح میں بہت سی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ جس کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے علم وفکر۔ مصلح میں علم وفکر کی صفات تمام صفات پر غالب ہونی چاہئیں، یعنی مصلح مفکر ہو اور خوب علم سے لیس بھی۔ لہٰذا مطالعہ کا ذوق بڑھائیں، حتی کہ مروجہ عبادات میں مصلح کی اگر زیادہ جدوجہد نہ بھی رہی تو وہ مخل فی الاصلاح نہیں۔ ہاں عبادت وعبدیت اعلیٰ درجہ کی ضرور مطلوب ہے۔ آپ عبادت مقررہ معروفہ اور عبادت بمعنی عبدیت وطاعت میں فرق کو سمجھیں، معلوم نہ ہو تو پوچھ لیں ورنہ خبط ہوجائے گا۔

● اپنے تقویٰ وعبادت کا معیار چاہے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو لیکن اس کا طرز وانداز ایسا نہ ہو کہ جس سے عوام آپ کو اپنے سے ممتاز خیال کرلیں۔ ایسا ہوا تو اصلاح کا دروازہ بند ہوجائے گا، کیوں کہ وہ یہ سمجھیں گے پابند شرع ہونا اور خوب عبادت میں لگنا بڑے لوگوں کا کام ہے۔ ہر ایک کا نہیں اور یہ سمجھ کر اپنی چھٹی کرلیں گے۔ سیرت میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب آپ کو اصلاح کرنے کا کام شروع کرنا[1] ہے۔

---

[1] آپ کا عظیم منصب اپنی جگہ بہت بڑا ہے لیکن آپ کو چاہیے کہ مدارس کے مشائخ، مفتیان، ارباب اہتمام، اہل تصوف اور اہل تبلیغ کے اکابرین اور دیگر علمائے کرام کے مناصب ومقام کا بھی خوب پاس ولحاظ رکھیں، آپ ان سے قریب رہیں ان کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں اور اس کام کے لیے دعا کی درخواست کریں اور ان سے مشورہ بھی لیں۔

اصل طریقۂ کار

[۱] مذکورہ درجات کی چیزوں پر ترغیب سے پہلے لوگوں کو اچھائیوں اور خرابیوں کا احساس اور اچھائیوں سے متصف ہونے اور برائیوں سے دور رہنے کی ضرورت کا احساس اس طرح دلائیں جس طرح کوئی شخص میلے کپڑوں کو دھونے اور بے غسل پسینہ سے تربتر شخص غسل کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

[۲] معروفات ومنکرات کے درجات سے کام شروع کرنے سے پہلے (جیسا کہ نمبر ا پر مذکور ہے) ایک دو ایک دو روز چھوڑ کر آپ سلام پھیر کر قبل الدعا مصلّی پر کھڑے ہوجائیں اور سب ہی کو متوجہ کر کے اس دن جو کام خلاف شرع کسی سے دیکھا ہو اس سے عام اور حسین اسلوب میں روکیں۔ ان شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔

یہ آپ کا ذمہ بھی ہے آپ کا حق بھی۔ لوہا گرم ہو اور پٹائی ہو تو کام بن جاتا ہے۔ لیکن آپ کھڑے ہو کر کیا کہیں گے۔ وہ علمی غذا کا متقاضی ہے۔ سیرت وغیرہ کا مطالعہ بھی رکھیں۔ کچھ مواد تنظیمی پروگراموں میں اشارۃً پیش کیا جائے گا۔

اصلاح کا طریقہ صرف یہ نہیں کہ وعظ و بیان میں تنبیہ کی جائے، بل کہ اس کا اچھا اور ثابت شدہ طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد فورًا کھڑے ہو کر اصلاح کی جائے جیسا کہ روایتوں سے ثابت ہے۔ جن کا بیان شروع کتاب میں گذر چکا ہے۔

(۱) ان مذکورہ درجات پر لانے کے لیے طریقہ یہ ہے کہ پنج وقتہ نمازوں میں سے جس نماز کے اندر نمازی زیادہ ہوں اور وہ دس پندرہ منٹ وقت فارغ کر سکتے ہوں اس نماز کے بعد آپ کھڑے ہو کر بالترتیب موضوع (درجہ) سے متعلق ترغیب دیں اور ایسا ہفتے میں صرف دو مرتبہ

کریں۔مثلاً اتواراور جمعرات۔اگر دلچسپی نظر آئے تو ایک دن اور بڑھادیں۔[۱]

(۲) مذکورہ تمام درجات میں سے آپ ایک ایک درجہ بالتدریج لے کر اٹھیں۔درجات کی تعیین اس لیے ہے تا کہ آپ کے سامنے اپنے کام کی ایک حد اور سطح متعین ہو تو آپ شعوری طور پر ایک درجہ کے کام کو پورا کر کے دوسرے درجہ کے کام کو بسہولت شروع کر سکیں۔

(۳) کام کے دوران آپ کی مسجد میں کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث صاحب کوئی بڑے عالم ومفتی اور مہتمم صاحبان تشریف لائیں اور کچھ وقت بھی ہو تو آپ ان کے سامنے اس نہج کا تذکرہ کریں، اور انہیں یہ کتاب بتائیں۔لیکن ساری کتاب پڑھنے کا وقت حضرت کے پاس نہ ہوگا صرف معروفات ومنکرات کے یہ درجات اور طریقۂ کار اور کام کی تدابیر بتائیں اور کہیں کہ "الحمدللہ" اس نہج پر کام ہو رہا ہے پھر فرمائش کریں کہ اس بارے میں حضرت والا کے ارشادات مقتدیوں کے سامنے آئیں تو بہتر ہو۔ان شاءاللہ ان بڑے حضرات کے چند کلمات آپ کے لیے بہت ہی معاون ثابت ہوں گے۔

(۴) ائمہ حضرات یہ بھی حکمت عملی اختیار کریں کہ وہ اپنے منصب امامت کے دوران مقامی قابل علماء کو تقریر و بیان اور نماز پڑھانے میں موقع دیا کریں۔اس لیے کہ اس میں

(الف) عوام کا دینی فائدہ ہوتا ہے۔کیوں کہ مختلف افراد سے مختلف فکروں سے ضروری باتیں سامنے آتی ہیں۔

---

[۱] اس وقت کتاب ہذا کی تالیف کا سبب بھی بندے کی اس طرح کی امامت سے دل کا داعیہ ہے۔ ۱۹۸۶ء میں فراغت کے بعد چند سال امامت کے دوران روزانہ ۱۵ منٹ دینی دلچسپی پر علمی، حکمتی، نکاتی گفتگو کرتا۔ پھر دھیرے دھیرے شریعت "معرفات ومنکرات" پر لاتا، ہر چیز پر اہتمام سے قرآن وحدیث، سیرت اور اسلاف کے حالات پیش کرتا، لوگوں میں اس قدر رغبت پیدا ہوئی کہ بازاروں سے آنے والا طبقہ مزید ۱۵ منٹ رک جاتا، بل کہ دوسری مساجد کے نمازی بھی وہاں آتے جس کا مثبت اثر خواتین پر بھی ہوتا۔وللہ الحمد۔

(ب) اس سے خود ائمہ حضرات کی عزت لوگوں میں بڑھ جاتی ہے۔ کیوں کہ ائمہ کی قوم کے حق میں دینی و مذہبی ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔

(ج) بڑا فائدہ یہ کہ جب آپ اپنے اصلاحی کام میں ان سے تعاون حاصل کرنا چاہیں گے تو وہ دل وجان سے تعاون کریں گے۔ لہٰذا ایسے مخلص علماء کو بھی کبھی موقع فراہم کریں۔

راقم الحروف تو عوام الناس کے عمومی فائدے کے پیش نظر دعوتی جماعتوں کی آمد پر سنجیدہ خطاب کرنے والے تبلیغی حضرات کو بھی جمعہ کے دن خطاب کا موقع دیتا تھا۔

(۵) کسی قصبہ میں اگر چند مساجد ہیں تو جامع مسجد کے امام صاحب بقیہ مساجد کے ائمہ سے مل کر ایک ہی جہت سے اور ایک ہی درجہ سے متفقہ طور پر کام انجام دیں تا کہ کام کو اجتماعیت کی قوت حاصل ہو۔ جب سب ہی شریک کار بنکر ایک ہی نہج سے کام کریں گے تو اس سے کام میں سہولت بھی ہوگی اور اس میں ترقی بھی۔

(٦) آپ کا یہ کام اور طریقہ اس طرح کا نہیں جیسے (تعلیم بالغان کا) بعض مساجد کے ائمہ کا ہے کہ مکتب کے بچوں کے علاوہ بڑی عمر کے حضرات کو قرآن شریف سکھانے اور نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے کچھ وقت فارغ کر کے ان پر محنت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ الحمد اللہ بہت اچھا کام ہے۔ لیکن یہ کام ایک تو تمام نمازیوں بل کہ پوری آبادی کے لیے ہے اور دوسرے صرف قرآن پڑھنے سکھانے کے لیے نہیں بل کہ پورے دین کو زندہ کرنے اور اس کو پوری زندگی میں لانے کے لیے ہے۔ لہٰذا کام کو اچھی طرح سمجھ کر حکمت و فکر سے انجام دیں۔

لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ یہ صرف سننے سنانے کا عمل بن کے نہ رہ جائے جواب تک ہر جگہ ہوتا رہا ہے۔ بل کہ اسے عملی جامہ پہنانے، لوگوں میں فکر و عمل کو جگانے اور ان کی زندگیوں

کو بدلنے کے ارادے سے انجام دیں۔ یہ چند دنوں کا کام نہیں بل کہ چند مہینوں کا بھی نہیں، آپ اوقات پر سے نظر ہٹالیں آپ کی آخری منزل یہ ہے کہ لوگ ان درجات پر عملاً آجائیں۔

(۷) اس کام کی مثال ایسی ہی سمجھئے جیسے مکتب کا مدرس۔ جس طرح مکتب کا مدرس ایک بالکل ابتدائی تعلیم بچہ کو الف با یعنی حروف شناسی (تختی) سے۔۔۔ ترکیب حروف وحرکات وسکنات (قاعدہ بغدادی ونورانی) پر۔۔۔ پھر بذریعہ طویل جملے اور آیتوں کے ٹکڑے روانی (پارۂ عم) پر۔۔۔ پھر پنج پارہ۔۔۔ اورختم قرآن تک پہونچاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں تعلیم مقصود ہے اور یہاں تعمیل کہ بالتدریج لوگوں کو تمام دینی امور پر عملاً قائم کرنا ہے۔

(۸) آپ اس مبارک عمل میں اپنی کامیابی کے لیے ایک کام یہ کریں کہ ابتدائی دو درجات میں کامیابی حاصل ہونے کے بعد خود ان لوگوں کو جو آپ کی بتائی باتوں کو بجالائیں اپنے کام میں شریک کرلیں اس سے آپ کی کمر اور مضبوط ہوگی، یعنی انہیں اپنی فکروں اور کام کی سطحوں سے آگاہ کریں۔

(۹) کام کی کچھ سطح بلند ہونے اور کام کی شکل بننے کے بعد آپ جن نمازیوں سے مخاطب ہوتے ہیں اور آپ کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں ان کو یہ بھی بتادیں کہ ان چیزوں کا تذکرہ اپنے گھروں اور اپنی مجالس میں کیا کریں اور ان میں حتی الوسع ان کو زندہ کریں۔ یہ عمل ایک طرف مخاطبین کو عامل بناتا ہے تو دوسری طرف ان کو داعی بھی بناتا ہے اور یہ دعوت کام کا مزید میدان ہموار کرے گی۔

(۱۰) اس کا تذکرہ (ترغیبی مضامین کا) ابھی جمعہ کے خطاب میں نہ کریں۔

اولاً اس لیے کہ عامۃً جمعہ وغیرہ کا خطاب لوگوں کے یہاں صرف سننے سنانے کا عمل بن کے رہ گیا ہے اس سے بڑھ کر فکر وعمل کی حیثیت دینے سے لوگ کتراتے ہیں۔

اب اگر اس کو بھی اس میں شامل کیا جائے گا۔ تو یہ بھی اپنی حقیقت کھو بیٹھے گا لہٰذا ضروری ہے کہ کوئی ایسی تدبیر اور کوئی ایسا جدید طرز اختیار کیا جائے جو لوگوں کی نظر میں وقعت پیدا کر کے ان میں فکر وعمل کے ناتے انقلاب لا سکے۔ جس کے لیے وہی طریقہ ہے جو ہم نے ابھی بتایا۔

ہاں ایک عرصہ کے بعد کچھ درجات میں کامیابی حاصل ہو جائے اور لوگوں میں فکر وعمل محسوس کریں تو وقتاً فوقتاً جمعہ کے خطاب میں اس کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

چناں چہ آپ اس تجربہ سے متفق ہوں گے کہ جب کوئی کافر ایمان لے آئے اور کوئی فاسق و گنہگار اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو جائے تو اس کی موجودہ زندگی کا حال عام مسلمانوں کی زندگی کے حال سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے کیوں کہ عام مسلمان وہی بے حسی و بے فکری اور روایتی زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں جب کہ وہ دونوں ایک فکری اور شعوری زندگی گزارنا شروع کرتے ہیں۔ بس یہاں بھی اسی طرح جدید طرز سے انہیں روایتی زندگی سے نکال کر شعوری وفکری زندگی پر کھڑا کرنا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ کسی بھی کام کی ابتدا افراد سے ہوتی ہے مجمع عام سے نہیں۔ لہٰذا وقتیہ نمازیوں سے ابتدا مناسب ہوگی کہ یہ بیک وقت افراد و مجمع دونوں سے ابتدا کے قائم مقام ہے۔ نیز جب کچھ لوگ اچھائی سے متصف ہوں گے تو سبقاً سبقاً دوسروں کے لیے عبرت کا سامان ہوگا اور ان کے لیے بھی اس سے متصف ہونا آسان ہوگا اور پھر پورا معاشرہ اس پر قائم ہوگا کیوں کہ معاشرہ افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱۱) جن حکمتوں کا ذکر ماقبل میں ہوا ہے ان پر نظر رکھیں اس سے آپ کے سامنے مزید تدبیریں اور راہیں کھلیں گی۔

(۱۲) مزید تقویت اس وقت حاصل ہوگی جب مسجد میں تعلیمی حلقے قائم کرنے کا وقت آ پہنچے گا اور آپ حلقے قائم کریں گے۔ جس کا بیان حصہ چہارم میں ہوگا۔

(۱۳) اگر ضرورت شدیدہ پیش آ جائے تو باعتبار اپنے مقام و منصب حسب موقع کچھ سختی آپ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ ہر جگہ نرمی کام نہیں دیتی بل کہ سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن'' والا حکم بالکل عام نہیں ہے بل کہ مخاطب کے سلیم الطبع ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ پس جس جگہ طبیعت نہایت کج ہو اس کا علاج نشتر ہے کیوں کہ یہ بھی ایک علاج ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کی اصلاح کے لیے جہاں چار کتابیں نازل فرمائیں ہیں وہاں پانچویں چیز آہنی سلاخ بھی نازل کی ہے چناں چہ ارشاد ہے ''وَاَنزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ''۔ (حدید ۲۵)۔ (خطبات حکیم الامت ۴۲۹)۔ جیسے ہم نے منکرات کے درجہ میں ایک دو جگہ اس طرح کی سختی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چناں چہ مختلف زمانوں کے بادشاہوں نے بھی (قطع نظر از شریعت) اپنے اپنے طور پر مختلف حکمتوں کے پیش نظر اہل جرائم کے لیے مختلف سزائیں وضع کر رکھی تھیں۔

علامہ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب کوئی گنہگار لایا جاتا تو لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے بطور سزا صرف اس کے سر سے عمامہ اتار لیا جاتا۔ اور زیاد کے دور میں گنہ گاروں کو کوڑوں سے سزا دی جاتی، اور مصعب بن زبیر کے دور میں ڈاڑھی مونڈ دی جاتی اور بشیر بن مروان کے زمانہ میں گنہ گار کی آنکھ پھوڑ دی جاتی اور جب حجاج بن یوسف ثقفی ظالم کا دور آیا تو کہنے لگے یہ تو سب کھیل تھا سزا تو یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے۔

چناں چہ قتل شروع کر دیا۔(فتح الباری ۱۶/۷ ۱۲۔عمدۃ القاری ۲۴/۱۸۵)۔

(۱۴) کبھی کبھار حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جو کرنا چاہتے ہیں اسے وقتی طور پر کرنا چھوڑ دیں۔ کیوں کہ اس وقت اس کو کرنا ہی خلاف حکمت ہوتا ہے۔ بلفظ دیگر کبھی مسئلہ کا حل یہی ہوتا ہے کہ اسے حل نہ کیا جائے اور اسے مسئلہ ہی نہ سمجھا جائے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے شورش کے زمانہ میں اہل مدارس دیوبند کو لکھا کہ اب تک تو آپ حضرات تدابیر میں رہے، اب ترک تدابیر کر کے بھی دیکھ لیں یہ نسخہ بھی بڑا مجرب ہے۔ اور اس ترک تدابیر میں اگر کوئی نقصان ہوا بھی تو اتنا نہ ہوگا جتنا تدابیر میں ہوا ہے مگر اکثر لوگ تدابیرات میں ہی لگے رہتے ہیں [۱]۔(العلم والعلماء ۸۷)۔

ائمہ حضرات اور کام کی صلاحیت

جن ائمہ حضرات کے لیے یہ اصلاحی تدبیریں پیش کی جارہی ہیں ان ائمہ کی اس کام کی صلاحیت کے ناتے تین قسمیں ہوسکتی ہیں۔

⬅ الف۔ ان امور کو بحسن خوبی انجام دینے کی خداداد صلاحیت سے خوب مالا مال ہوں۔ اور وہ ابتک اصلاحی کام انجام دیتے بھی رہے ہوں۔ لیکن ابتک کوئی مرتب شکل اور مرتب کورس نہ ہونے کی وجہ سے کیف ما اتفق کام کرنے سے دقت کا سامنا کر رہے تھے اور نتیجہ بھی نہیں پا رہے تھے تو ان شاء اللہ اب ان کے لیے سمت متعین ہونے اور کورس معلوم ہونے سے سہولت ہوجائے گی۔ لہٰذا وہ حضرات تو ابتدائی و درمیانی درجہ سے کام شروع کر کے نصابی درجہ تک پہنچ کر اسے شروع کر دیں۔

---

[۱] ہم نے معروفات و منکرات کے درجات اور ان کی مثالیں اپنی صواب دید کے اعتبار سے مرتب کی ہیں۔ لیکن بعض علاقوں اور مختلف قوموں اور جماعتوں کے لحاظ سے فرق پڑ سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہی صورت کسی کو پیش آجائے تو وہ اپنے یہاں کے لحاظ سے ان کی مثالیں خود طے کر کے اس پر کام کی توجہ صرف کرے۔

ب : کم وبیش صلاحیت کے حامل ہوں لیکن اس کے عامل نہ ہوں کیوں کہ یا تو ان کے سامنے کوئی چلنے کی سمت متعین نہ تھی یا تو وہ اصلاح کی اہمیت فراموش کئے ہوئے تھے۔تو ایسے ائمہ بھی اب از سرنو کام کوشروع کر دیں۔

ج : اس کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ چاہے عالمیت نہ کرنے کی وجہ سے یا واقعۃً اس سے محروم ہونے کی وجہ سے۔ان کے لیے ایک خاص ہدایت یہ ہے۔

اگرآپ میں اصلاح ناس کی طلب وتڑپ ہے تو آپ اس کے اجر وثواب کے ضرور مستحق ہوں گے کیوں کہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور بڑھ کر ہوتی ہے۔لیکن پھر بھی جتنا ممکن ہو آپ بھی اس کو انجام دیتے رہیں۔اگرآپ نااہل ہیں تو کوئی فکر کی بات نہیں آپ اس کے لیے دو کام کریں اور کام کو لے کر اٹھیں ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ آپ میں اہلیت پیدا فرما دیں گے۔

ایک یہ کہ کسی ذی بصیرت دیندار شخص کو اپنے ساتھ رکھیں اگر دو چار افراد کو شامل کرلیں گے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔آپ ان کو اس کتاب کے اصلاحی طریق سے باخبر کریں پھر ان سے تعاون کی درخواست کریں، ان سے آپ کو کافی کام کی راہ نمائی حاصل ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی اہلیت مانگیں۔اللہ تعالیٰ عظیم قدرتوں کا مالک ہے۔ ان شاء اللہ آپ میں ہمت بھی پیدا ہوگی اور اہلیت بھی۔

ویسے یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ بالکل صلاحیت سے محروم ہوں۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہر شخص میں کم وبیش صلاحیت ہونے کی خبر موجود ہے ارشاد ہے۔ ’’ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ‘‘(مشکوٰۃ ۳۲)

مذہب اسلام میں کام کے لیے صلاحیت وقابلیت سے زیادہ صلاح وقبولیت مطلوب

ہے۔ بہت سے قابل اور حامل صلاحیت انسان دربار الٰہی میں محروم ومردود ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔نعوذ باللہ۔غیروں کی نظر میں کم عقل ہی نہیں مجنون تھے لیکن تھے امام الانبیاء بلکہ نبی الانبیاء علیہم السلام۔لہٰذا بس کام کی فکر اوڑھ لیں اور دعا کا خوب اہتمام کریں۔

ایک بات پلے باندھ لیں کہ جب کوئی شخص بغیر صلاحیت ومہارت کے کسی کام کی فکر لیکراس میں مصروف ہوجاتا ہے اور ہمہ تن لگا رہتا ہے تو یہ مصروفیت خود مہارت پیدا کردیتی ہے۔

جو لوگ بھی جس جس میدان میں آج شہسوار نظر آتے ہیں وہ ابتدائی مرحلے میں ایسے نہیں تھے یہ مصروفیت کا کمال ہے جس نے انہیں آج شہسوار بنادیا ہے۔ گجراتی میں کہاوت ہے : ''دھندھو، دھندھا نے سکھواڈے چھے'' اس کا وہی مطلب ہے جو ہم نے بتایا۔ صلاحیت پر مزید تفصیل حصہ اول میں بھی مذکور ہے۔

ائمہ حضرات کے کام کا جائزہ

آپ اگر ٹھان لیں تو کیا ایک سال میں اپنے معاشرے سے ۵ / ۷ گناہ کم نہیں کراسکتے، ۵ / ۷ نیک اعمال معاشرہ میں زندہ نہیں کراسکتے، دس سنتیں رائج نہیں کراسکتے، ھکذا۔ پھر دس سال کی امامت کا حساب لگائیں ۔۔۔اور بیس سال کی امامت کا ۔۔۔آپ سوچیں آخرت کی کتنی بڑی پونجی کے آپ مالک بن سکتے ہیں۔ اور جو معاشرے میں اصلاح وسدھار آئے وہ علیحدہ۔

یہ تو ایک امام صاحب کے کام کا نتیجہ ہوا۔۔۔ پورے ضلع کے ائمہ حضرات کا نتیجہ کیا ہوگا۔۔۔اور پورے صوبہ کے ائمہ حضرات کے کام سے ۔۔۔ کتنا انقلاب آئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ائمہ حضرات کی پوری جماعت طے کرلے کہ ان شاء اللہ آج سے ہم ضرور کام کے لیے''

صرف رضاء الٰہی اور ذمہ داری کو ادا کرنے کی نیت سے" اٹھ نے تیار ہیں تو ان شاء اللہ چند سالوں میں صوبہ گجرات کا اور مجموعاً تمام جگہوں کا نظارہ الگ ہوگا۔ (وما توفیقی الا باللہ)۔

آج ہر کام اور ہر شعبہ میں ۵/۱۰ سال میں کام اتنی ترقی کر جاتا ہے کہ ماضی کا حال بھول جایا کرتے ہیں۔ ائمہ حضرات اس طرح پچھلے ۱۰/۲۰ سال کی امامت میں ترقی، برابری یا انحطاط کا حساب تو کیا کریں! ایسا نہ ہو کہ آپ انحطاط کی طرف جارہے ہو!!

اصلاح خواتین کی ضرورت پر ارشادات

ہمارے مدیر جامعہ حسینیہ راندیر حضرت مولانا محمود شبیر صاحب دامت فیوضہم نے فرمایا: اصلاح خواتین کی طرف ائمہ حضرات کو توجہ دینے کی شدید ضرورت ہے، ان کا دینی ذہن دینی مزاج بنانا ائمہ حضرات کی اہم ذمے داری ہے۔ اگر خواتین کا ذہن نہیں بنایا گیا تو چاہے شوہر مفتی صاحب ہوں کہ امام صاحب، شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر خواتین کہدیں گی "تم خاموش رہو، تم کو معلوم نہیں شادیوں میں یہ تو کرنا ہی پڑتا ہے" یہ کہہ کر پیٹ بھر کر غیر اسلامی طریقوں کو اپنائیں گی اور سنت و اسلام کا جنازہ نکالیں گی اور مفتی صاحب اور امام صاحب کچھ کہہ نہ پائیں گے۔

ہم لوگ ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، سمجھ کر انہیں اہمیت نہیں دیتے حالاں کہ مردوں سے زیادہ مجاہدہ کرتی ہیں، اور شعور و ذہن کے لحاظ سے بھی بعض خاندان کی خواتین بعض مردوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے شادی کے بعد معاشرے میں خاوند کے گھر کی قدر قیمت بڑھ جاتی ہے، [1]

[1] بندہ جب ائمہ مساجد کے لیے تنظیم کا خیال والتماس نامہ لے کر (یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ) حضرت کے پاس پہنچا تب آپ نے فرمایا تھا: کہ بہت اچھا لکھا ہے اور اچھی سوچ ہے بس ہونا چاہتا ہے، ائمہ کے تربیتی جوڑ ہونے چاہئیں، اور ائمہ کو مردوں کی اصلاح کے ساتھ خواتین کی اصلاح کی طرف بھی خصوصی توجہ کرنی چاہیے پھر مذکورہ بالا باتیں ارشاد فرمائیں۔

فقیہ عصر مفتی زماں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت فیوضھم نے فرمایا : گجرات میں کس چیز کی کمی ہے؟ مکاتب و مدارس ہیں اور بڑے بڑے ہیں، اہل تصوف بڑی شخصیتیں ہیں، اکابرین تبلیغ بھی ہیں۔ہم کیا کہیں؟ لیکن ایک بات ضرور کہنے کو دل چاہتا ہے کہ اتنی ساری دینی محنتوں کے باوجود لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دین کا تعلق صرف نمازوں اور مسجدوں تک ہے نماز میں کوئی غلطی ہوتی ہے تو لوگ فوراً عالم صاحب اور مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کر لیتے ہیں کہ ہماری نماز ہوئی یا نہیں، سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

لیکن جب پڑوسیوں اور زوجین کے درمیان معاملات بگڑتے ہیں تو یہاں کوئی عالم صاحب یا مفتی صاحب سے مسئلہ نہیں پوچھتا کہ شریعت کیا کہتی ہے اسلام کیا کہتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسجد سے خارج معاملات و معاشرت میں دین و مذہب کو نہیں مانتے گویا یہ کہتے ہیں کہ یہاں سماج کو دیکھا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اس کے لیے کورٹ میں جایا جائے گا، نہ کہ علماء و مفتیان اور شرعی پنچایت میں۔

حضرت نے فرمایا: ہمارا مسئلہ کیسا ٹیڑھا ہے، ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میرا نکاح کوئی بڑے مولانا پڑھائیں، لیکن نکاح کے بعد اسی زوجین میں کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ انہی مولانا کو (یا انہی جیسے عالم صاحب کو) مقدمہ کا فیصل مان لیں۔اور جھگڑا ختم کر دیں لیکن ان کا فیصلہ کوئی منظور نہیں رکھتا اور مقدمہ کورٹ میں لے جاتے ہیں، حالاں کہ جس طرح وہ نکاح پڑھانے میں بڑے ہیں اور امام ہیں تو رفع تنازعات میں بھی ان کو بڑا اور اپنا امام ماننا چاہیے۔

کورٹ کا حال سب ہی کو معلوم ہے کہ وہ تو ''ختم عدت کے بعد بھی '' بیوی کے لیے شوہر پر نفقہ لازم کرتی ہے جو قطعاً خلاف شرع ہے خواتین طلاق کے بعد اپنے خاندان والوں

کے ساتھ کورٹ کے سامنے یہ مطالبہ رکھتی ہیں کہ زندگی بھر کے لیے ہمارا نفقہ اس پر لازم کیا جائے حالاں کہ اسلام میں عدت ختم ہوتے ہی ایک دوسرے کے تعلق بالکلیہ ختم ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کے حق میں اجنبی ہوجاتے ہیں یہ نفقہ اس مطلقہ عورت کو لینا قطعاً حرام ہے۔

حضرت نے فرمایا: تمہیں کوئی اجنبی شخص کہے کہ ''لو یہ ۲۵ ہزار روپے میں تمہاری بہن کو دیتا ہوں اس کو دیدینا'' کیا تمہاری غیرت برداشت کرے گی؟ ایک اجنبی شخص ہماری بہن کو کیوں ۲۵ ہزار دے گا؟ تو یہاں بھی اب طلاق وعدت کے بعد شوہر بیوی کے حق میں اجنبی ہے اس کے روپے کیسے کھائے جارہے ہیں؟۔ یا دو آدمیوں میں لڑائی جھگڑا ہوگیا کیا اس کے بعد ایک شخص دوسرے کو پانچ روپے بھی لینے اور دینے سے خوش ہوگا؟ ہرگز نہیں تو زوجین میں جب اتنا بڑا تعلق ٹوٹا ہوا ہے وہاں کیوں زبردستی لینے پر خوش ہیں؟

ایک چھوٹے مسلم جج نے اس بڑے جج سے پوچھا جس نے مسلم زوجین کے مقدمے میں عدت کے بعد شوہر پر نفقہ کا فیصلہ کردیا تھا کہ آپ نے خلاف قانون (شریعت) نفقہ کیسے لازم کردیا تو اس بڑے جج نے کہا: تمہیں (مسلموں کو) مقدمہ کورٹ میں لانے کو کس نے کہا تھا؟ تمہیں اگر اپنی شریعت عزیز ہے تمہیں اپنا دین ومذہب محبوب ہے تو تم اپنے مقدمات یہاں کیوں لاتے ہو خود سے حل کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے خواتین کو دینی شعور دینے کی شدید ضرورت ہے [1]

[1] حضرت نے یہ خطاب ۳مئی ۲۰۱۷ء بدھ کے بعد کی رات کو تقریباً ۱۱ بجے (اِکلرا) گاؤں میں جناب حافظ مناف صاحب پٹیل کے وسیع مکان میں دعوت طعام کے بعد علماء وعوام کی جم غفیر تقریباً ۸۰/۷۰ افراد کے درمیان کیا تھا جب کہ حضرت والا، جامعۃ القرأت کفلیتہ از جانب حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں مدعو تھے۔ اس وقت بندہ برائے ''نہج الائمۃ فی اصلاح الامۃ'' حضرت کی تقریظ کے لیے بوقت مغرب ایرپوٹ سے رات کو ایک بجے تک ساتھ رہا اور حضرت نے کتاب کو ملاحظہ فرما کر تقریظ عطا کی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

طریقہ کار برائے اصلاحِ خواتین

جزئی اصلاحِ خواتین کا ذکر تو معروفات ومنکرات کے مرتب درجات کے تحت ہوا ہے تاہم مستقل اصلاحِ خواتین کا طریقہ کار کیا ہو اس کو یہاں مختصرً اپیش کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی خواتین مردوں کے تابع ہیں ان کی اصلاح عورتوں کی اصلاح کا ضامن ہے۔ پھر بھی چند اصلاحی مفید تدابیر پیش خدمت ہیں۔

جب مسجدوں میں مردوں کی اصلاح کا ایک عرصہ گذر جائے تو اب خواتین اسلام میں بھی اصلاح کا کام شروع کرلیا جائے، کیوں کہ مردوں کی بنسبت خواتین زیادہ مستحقِ اصلاح ہیں، کیوں کہ معاشرے کو بگاڑنے اور سنوارنے میں خواتین کا کردار زیادہ ہوتا ہے۔ اور کم قسمتی سے عامۃً اب خاوند لوگ بھی اپنی بیگمات کی چنگلوں میں آچکے ہیں، لہٰذا جب تک خواتین کو اصلاح کے لیے آمادہ نہیں کرلیا جاتا مردوں میں بھی خاطر خواہ اصلاح ممکن نہیں۔

حضرت **مفتی زین العابدین** رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اگر تم سارے مرد حضرت حسن بصریؒ کی طرح بھی بن جاؤ پھر بھی دین زندہ نہیں ہوگا جب تک عورتوں کے اندر دین زندہ نہ ہو۔ اور عورتیں ساری رابعہ بصریہؒ کی طرح بن جائیں پھر بھی دین زندہ نہیں ہوگا جب تک بچوں میں دین زندہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو محنت فرمائی اس سے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور غلاموں میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ جب ان چاروں طبقوں میں ہماری طرف سے محنت ہوگی تو دین تمام شعبوں میں زندہ ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم مساجد کو اس طرح آباد کریں کہ اس کا اثر محلہ کی اسکولوں بازاروں، کھیتوں اور آفسوں تک بھی پہنچے۔

لیکن یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ خواتین نرم دل، رقیق طبیعت ہوتی ہیں۔وہ جس طرح باطل اور برائیوں کی طرف مائل ہوکر معاشرے کو جلد خراب کرتی ہیں، اس طرح وہ حق وبھلائیوں کی طرف مائل ہوکر معاشرے کو جلد اچھا بھی بناتی ہیں۔لہٰذا ان پر تھوڑی سی توجہ اگر حکمت سے ہوئی تو ان شاء اللہ بہت بڑی اصلاح کا سبب وذریعہ ہوگی۔

طریقۂ اصلاح کا آغاز

خواتین کی مجلس کا اعلان ایک ہفتہ پہلے کیا جائے۔ اور یہ بھی اعلان کیا جائے کہ معاشرتی ضرورت کی وجہ سے یہ ایسی عام مجلس منعقد کرنی ہے کہ ساری خواتین شریک مجلس ہوں۔ لیکن بعض اعذار مثلا مرض، سفر یا گھریلوں ضرورت کی وجہ سے ساری خواتین ایک ہی مجلس میں شریک نہیں ہوسکتیں اس لیے اسی غرض سے وہ مجلس دوسرے ہفتے بھی ہوگی۔ یہ مجلس دو ہفتے ہو، اور دو جگہ ہو مکان کا تعین بھی ہو۔

پہلی مجلس : اس مجلس میں ذیل کے امور کی رعایت ہو۔

ا : اصلاحِ معاشرہ کی خوب اہمیت کو سمجھائیں۔اصلاح نہ کرنے کے دینی ودنیوی نقصانات کو ان کی مثالوں سے سمجھائیں۔اور اصلاح کے دینی ودنیوی فوائد ان کی مثالوں سے سمجھائیں۔

ب : ان سے اصلاح کا عزم کرائیں، بل کہ عہد لیں۔اور یہ بتائیں کہ خواتین کا اصلاح میں بڑا کردار ہوتا ہے۔ایک خاتون پورے معاشرے کو بدل سکتی ہے۔اور پاک باز، دیندار عورت مادرزاد ولی کو جنم دے سکتی ہے۔

سیرت طیبہ واسلاف کے نمونہ سے سمجھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد ونکاح (گیارہ) اسی اصلاح خواتین اور تبلیغ دین کے خاطر فرمائے تھے۔لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی

رضی اللہ عنہا سے ایک ثلث شریعت ثابت ومنقول ہے حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت کم عرصہ (تقریباً نو دس سال) پایا ہے۔ (نبراس ۲۹۳)۔

ج : کتنی خواتین جمع ہوئیں اس کا حساب طلب کیا جائے۔ختم مجلس پر حساب لگا کر وہ آپ کو بذریعہ پرچہ مطلع کریں۔

د : آپ دو باتیں اخیر میں اہتمام سے کہیں۔ایک یہ کہ ہر خاتون اصلاح معاشرہ کی دعا ضرور کرے۔ اور دوسری بات یہ کہ اصلاح کی فکر ہر خاتون اوڑھے۔کوئی بھی ان دو کاموں سے غفلت نہ برتے۔ یہ دو کام اگر خواتین کرتی ہیں تو مجھے اور آپ کو یقین کرنا چاہیے کہ ان شاء اللہ کام ہوگیا۔ کیوں کہ ان دو کاموں کی قوت سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ھ : اسی مجلس میں اب دوسری مجلس کا اعلان کرنا ہے جو اگلی دو مجلسوں کے ۱۵ روز بعد ہوگی، وہاں تک صرف دعا اور فکر کرنا ہے۔

دوسری مجلس : کے امور ذیل میں مرقوم ہیں۔

ا : مختصر اصلاح معاشرہ کی فکر پر مشتمل خطاب ہو۔اس خطاب کے لیے آپ خود پہلے دو رکعت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ کام تو اس سے بنتا ہے۔ اور خطاب کے مضامین کی بھی خوب تیاری فرمالیں، بڑے کام کے لیے بات بھی بڑی ہونی چاہیے۔صرف دو چار واقعات سے کام نہ چلائیں۔ فکری خطاب ہو۔

ب : گذشتہ مجلس میں دعا اور فکر کرنے کو کہا تھا تو ہمت افزائی کے لیے خود خواتین سے تفقد کرائیں کہ کس نے دعا اور فکر کی تھی۔ اور تفقد (بذریعہ پرچہ) کے بعد دونوں کی ہمت افزائی کے لیے ۵/۱۰ منٹ اور فکری خطاب کریں۔

ج : اصلاح کے لیے ذمہ دار خواتین (تعداد خواتین کے تناسب سے) کا انتخاب کریں۔لیکن ایسی خواتین جو اپنے گھر سے اصلاح کا نمونہ پیش کرنے کا عزم کریں۔خواتین ان کا نام لکھ کر آپ کو پہنچا دیں آپ ان کے ناموں کا اعلان بھی کر دیں۔اور دعائیں بھی دیں۔

د : اصلاح کس چیز کی کرنی ہے؟ آپ ابھی ان کو یہ بتادیں اس کی راہ نمائی اس کے بعد کی تیسری مجلس میں کی جائے گی۔

ھ : دعا پر مجلس کو برخواست کر دیں۔

(۱) پھر آپ مسجد میں آکر ذمہ دار خواتین کے محرموں کو جمع کریں اور ان کو ان کے معاوین بننے کے لیے آمادہ کریں بل کہ اس کی تاکید کریں کہ وہ ان خواتین کی اس کوشش کو سراہیں اور ان کی ہمت افزائی کریں۔

پھر تمام نمازیوں کے سامنے مثلاً خطاب جمعہ میں اس اقدام کا تذکرہ کر کے اس پر تعاون کے لیے سب ہی کو آمادہ کریں۔

(۲) اب خواتین کی مشہور برائیوں کا جائزہ لیں۔اور آپ مردوں میں جو اصلاحی کام اس سے پہلے کر چکے ہیں لیکن خواتین کی وجہ سے مکمل اصلاح نہیں ہوسکی ہے ان کاموں کا بھی جائزہ لیں۔دونوں کا جائزہ لے کر اور نوٹ کر کے خواتین کی تیسری مجلس میں اس کا اعلان کریں، اس طرح اپنی صواب دید سے ایک ایک منکر کے قلع قمع کرنے پر اتحادی قوت کو بروئے کار لائیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ضرور کامیابی عطا فرمائیں گے۔

اس طرح پھر تیسری مجلس۔۔۔ھَلُمَّ جَرّا۔۔۔۔

(۳) اب جب بھی آپ کسی مجمع میں مراہق لڑکوں اور لڑکیوں کو خلاف شرع رہن

سہن پر دیکھیں مثلاً: لڑکی کا دوپٹہ سر پر نہ ہو، یا باریک ہو، غیر شرعی بال کٹے ہوئے ہوں، کھڑے ہو کر پانی پیتا ہو، قبلہ کی طرف تھوکتا ہو، اور مسجدوں میں غیر مناسب حرکت کرتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

تو آپ ان کو مختلف مؤثر حکمتوں سے روکیں، بڑوں کے سامنے چھوٹوں کی اصلاح سے دو فائدے حاصل ہوں گے۔

ایک خود ان لڑکوں اور لڑکیوں کی اصلاح کا فائدہ۔

دوسرا ان کے والدین وغیرہ بڑوں کی اصلاح کا فائدہ۔

کیوں کہ جب آپ نے چھوٹوں کو نہیں بخشا تو بڑے لوگ یہ سوچیں گے کہ اگر ہم سے بھی خلاف دین وشریعت بات امام صاحب دیکھیں گے تو ہمیں بھی سب کے سامنے کہیں گے۔ لیکن بڑوں کو ہر وقت ہر کسی کو نہ ٹوکیں۔ بعض دفعہ ٹوکیں، بعض دفعہ درگذر کریں۔ بعض کو کہیں بعض کو ''ابھی'' نہ کہیں۔ حکمت سے کام لیں۔

چناں چہ مفسر قرآن حضرت مفتی **محمد شفیع** صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اصلاح امت کا طریقہ'' کا عنوان قائم کر کے (جس طرح ہم نے سطور بالا میں ائمہ حضرات کے لیے بیان کیا ہے اسی طرح) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت کو بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کے قرون اولیٰ میں اور قرون مابعد میں جب تک اس پر عمل رہا۔ مسلمانوں کی پوری جماعت علم وعمل، اخلاق وکردار کے اعتبار سے پوری دنیا میں سربلند رہی۔۔۔ (معارف القرآن ۱۸۷/۳) لہٰذا اس طرح کام کی خوب ضرورت ہے۔

ضروری نوٹیں

نوٹ (۱) : اصلاحِ خواتین میں مردوں میں سے ان کے خاوندوں کو بھی ذریعہ

بنائیں۔ وہ اس طرح کہ وہ خواتین سے یہ کہیں کہ جب تک تم اصلاح میں ساتھ نہیں دیتی (اور یہ رسم نہیں چھوڑتی) ہم ناشتہ نہیں لیں گے۔

نوٹ (۲) جو بھی خواتین کی مجلس ہو، خطاب سے پہلے ان میں ۱۵ منٹ **فضائل اعمال** وصدقات حضرت شیخ زکریاؒ کی تعلیم کا بھی (دعوتی جدوجہد کی طرح) اہتمام ہو۔ احادیث کے نور سے اصلاح میں معاونت حاصل ہوگی۔

نیز اس تعلیم کے لیے ان نوجوان لڑکیوں کا انتخاب ہو جو اصلاح میں رکاوٹ بنتی ہیں اور فیشن پرست ہیں، کیوں کہ یہ تعلیم ان شاءاللہ ان کی اصلاح کا ذریعہ بنے گی۔ حضرت ابو محذورہؓ نے کلمات اذان صرف نقل اتارنے کے ارادے سے کہے لیکن ان کی ہدایت کا ذریعہ بن گیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرانی آیات سنیں اوران کی ہدایت کا ذریعہ بن گئیں۔

نوٹ (۳) خواتین کے اس کام میں دعوت کے ان ساتھیوں کو ضرور ساتھ رکھیں جو خواتین کے ساتھ وقت لگا کر کام کر چکے ہیں۔ کیوں کہ خواتین میں کام فتنہ کا باعث بن سکتا ہے۔ اور دعوتی جدوجہد میں بڑے عمدہ اصول کے ساتھ کام ہوتا ہے جس سے فائدہ بھی ہوتا ہے اور فتنہ سے حفاظت بھی۔ اور ہمارا مقصود کام کرنا ہے۔ کسی چھوٹے کو ساتھ رکھنے سے ہماری وقعت مجروح ہونے کا خیال نہ آئے، بل کہ کام کا خیال ہو، لہٰذا ان کو ساتھ رکھ کر کام کریں۔

نوٹ (۴) خواتین میں خطابی ضرورت خود ائمہ ہی پوری کریں گے۔ ہاں اگر اہل تنظیم کی وہاں آمد ہوئی تو ہنگامی خطاب وہ کر سکتے ہیں۔ خواتین میں خطاب ان کی ہمت افزائی اور اعمال وعبادات اور دعا وفکر دلانے پر مشتمل ہو۔ کیوں کہ دعاؤں سے ہی کام بنے گا نہ کہ اپنی جدوجہد سے۔

دینی فضا کا ایک اور کورس : نصابی درجات کے کچھ عرصہ بعد دینی فضا میں ترقی کے لیے ائمہ کو چاہیے کہ وہ ذہن سازی کے بعد مساجد میں دو درس جاری کریں۔ایک درس قرآن۔دوسرا درس حدیث۔کیوں کہ مسجد نبوی ﷺ میں بھی ایسی مجالس منعقد ہوتی تھیں یعنی یہ بھی آپ ﷺ کا انداز تربیت ہے۔

(۱) درس قرآن : شیخ الاسلام حضرت **مفتی تقی عثمانی** صاحب دامت برکاتہم کا ''آسان ترجمہ قرآن'' پڑھا جائے جو نہایت ہی آسان اور جامع ہے۔ایک ایک آیت کا ترجمہ دھیرے دھیرے دو دو مرتبہ پڑھ کر سنایا جائے۔قرآن سے منسلک ہونے کے لیے بس اتنا کرلینا کافی ہے دوسری تفاسیر سے مضامین بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس میں صرف معلومات جمع کرنے کی جہت رہ جاتی ہے اصلاح وعبرت حاصل نہیں ہوتی۔

(۲) درس حدیث : حضرت **مولانا محمد منظور نعمانی** رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''معارف الحدیث'' کا۔لیکن وہ حصہ جو آداب معاشرت،حقوق واخلاق اورمعاملات پر مشتمل ہو۔صرف پڑھ کر سنادیں لیکن صاف پڑھنا صاف ہو اور دھیرے سے ہو۔

طریقہ : ۱۵ منٹ کا درس ہو،جس نماز کے بعد نمازی وقت فارغ کرسکیں۔ایک ہفتہ درس قرآن،دوسرے ہفتے درس حدیث۔

جب اس کی بھی فضا بن جائے تو آپ کی صواب دید کے مطابق ذیل کی ترتیب بھی اختیار کریں۔

- قرآنی حلقے : صحت وتجوید کے حلقے۔
- مسائل کی تعلیم : پہلے نماز کے طہارت کے مسائل پھر موقع کے مثلاً قربانی،زکوٰۃ،

حج ، روزے اور معاملات کے۔ نماز کے لیے مولانا رفعت قاسمی صاحب کی کتاب ''مسائل امامت '' بھی۔

پانچ منٹ کا مدرسہ : روزانہ کا ایک درس۔ جو تاریخ وار ہے۔ اسے پڑھا جائے۔

اجتماعی ومعاشرتی امور میں اصلاحی فکر

ائمہ حضرات امور مذکورہ کی طرح اجتماعی ومعاشرتی ان امور میں بھی اصلاح کی فکر فرمائیں جن کا پورے معاشرے پر اثر پڑتا ہے، ان کی اصلاح سے پورے معاشرہ میں اصلاحی اثرات واقع ہوتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی بڑی جدو جہد کی ضرورت نہیں بل کہ تھوڑی سی توجہ اور فکر سے ان شاء اللہ معاشرہ دینی راستہ پر آ جائے گا، آپ صرف حکمت سے لوگوں کو توجہ دلائیں لوگ آپ کی باتیں بخوشی قبول کرتے رہیں گے۔ جب لوگ بغیر محنت کے برائیوں کی طرف گئے ہیں تو یہ کیسے ناممکن ہوگا کہ محنت سے بھی اچھائیوں کی طرف نہ آئیں۔ اس لیے آپ دعا کے ساتھ محنت کرتے رہیں۔ وہ امور درج ذیل ہیں۔

(۱) نماز جمعہ وعیدین کی حاضری : بستی میں کوئی شخص ان دونوں سے باقی نہ رہ جائے کیوں کہ اجتماعیت سے اس کے دین وایمان کی حفاظت ہوگی ورنہ شیطان اس کے ایمان پر حملہ آور ہوگا۔ نیز یہ دونوں عبادتیں (گھر میں) انفرادی درست بھی نہیں۔

(۲) ماہ رمضان کے روزوں اور تراویح کی عام فضا قائم کرنا۔ کیوں کہ روزوں اور حج (اور نماز) کا ایک وقت متعین کر کے شریعت نے عبادت کے ماحول کو سازگار بنایا ہے۔

(۳) زکوۃ کی ادائیگی : تا کہ قوم میں مساوات پیدا ہو کر اجتماعیت کی شکل قائم ہو۔

(۴) حج کی ادائیگی : اس سے معاشرے پر اسلامی تہذیب کا مثبت اثر واقع ہوگا۔

(۵) نکاح وموت میں اسلامی ہدایات کی تعمیل : کیوں کہ یہ کام بھی اجتماعیت کی شکل میں ادا

کیے جاتے ہیں اور ان میں ہر قوم مذہبی رسوم کا اہتمام کرتی ہے تو اہل اسلام تو بطریق اولیٰ پابند ہونے چاہیے کہ ان کو اسلامی طریقوں کے مطابق ادا کریں۔

(۶) شرعی لباس کی ترغیب : کیوں کہ وہ قوم وملت کا تعارف ہے۔

(۷) ذبیحہ اسلامی طریقہ پر ذبح کرنے کی ترغیب۔ چاہے عید کا ذبیحہ ہو یا عام دنوں میں مسلمانوں کے کھانے کے لیے ہو۔اس کا دو تین موقع پر تذکرہ کرکے اس سے واقف کرنا۔

(۸) بچوں کی ولادت پر ان کے اسلامی نام رکھنے کی طرف توجہ۔ کیوں کہ لوگ جہالت سے غیر اسلامی نام رکھ لیا کرتے ہیں۔

(۹) قطع تعلق کو ختم کرکے صلہ رحمی پیدا کرنا۔اس سے قوم میں اتحاد کی بنیادیں مضبوط ہوں گی۔

(۱۰) والدین کی خدمت ان کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ کرنا کہ ہر اولاد ان کی رعایت کرے۔

(۱۱) اطراف میں غیر مسلم بستیوں میں ایک دو گھر مسلمان کے ہوں (جہاں نہ مسجد ہو نہ مدرسہ) وہاں کے مسلمان افراد کے انتقال پر نماز جنازہ کی اور ان کے بچوں کی دینی تعلیم اور بالغ مردوں اور عورتوں کی ادائیگیٔ نماز اور روزے وغیرہ کی فکر کرنا۔

خاتمۂ کتاب

● آپ قوم کے امام ہیں، امام وہ ہوتا ہے جو اپنے ماتحت افراد کو مجتمع رکھے اور ان کو اختلاف سے بچائے رکھے۔

● آپ قوم کے مقتدا ہیں، مقتدا وہ ہوتا ہے جو قوم کو (نمازوں میں) اپنی اقتدا سے (خارج نماز میں بھی) خدا اور رسول کی طاعت واتباع پر ڈالے۔ان کو ہر قسم کی نافرمانی وانحراف سے بچائے رکھے۔

● آپ معلّم ہیں، معلم کا کام یہ ہے کہ قوم کو جہالت کی تاریکیوں سے علم ومعرفت کی روشنیوں کی طرف لائے۔

● آپ مبلغ بھی ہیں، مبلغ کو چاہیے کہ مسلمانوں کے ایمان ویقین میں نکھار لائے۔

● آپ حاکم وقاضی اور حکیم ہیں، آپ کو چاہیے کہ قوم کے احوال پر نظر رکھیں، ان میں پیش آمدہ مسائل کا حکمت وفراست سے علاج کر کے مساوات کی فضا برقرار رکھیں۔ انہیں آپس میں ٹکرانے اور عداوت ونفرت سے بچائے رکھیں۔

● آپ عابد ہیں تو اپنی قوم کو اپنی شان عبدیت کا نمونہ پیش کر کے ان پر عبدیت کا رنگ چڑھائیں۔

● آپ تو مصلح ہیں، معاشرے کا صلاح وسدھار آپ کا خصوصی ذمہ ہے جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

● آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ آپ قوم کے حق میں ہادی ہیں، ہادی کا کام ہے کہ قوم کو ان کے (دینی ودنیوی) دونوں مفید کاموں سے آگاہ کریں۔ ان سارے امور کو زندہ کرنے کا نام منصب امامت ہے۔

یہ وہ امور ہیں جنہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں مسجد کی بنیاد ڈال کر اپنی ذات سے انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین نے بھی ''منصب امامت سے'' انہیں انجام دیا۔

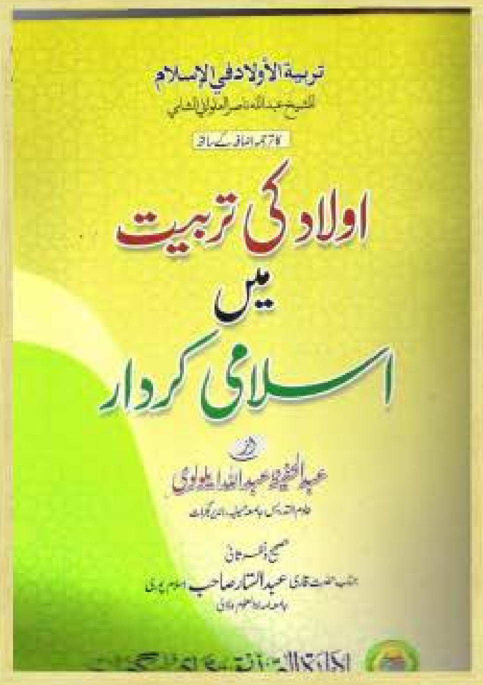
اکسیر نسخہ: ان امور کی انجام دہی کے لیے جامع العلوم کامل الصفات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ ہے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مضبوط ربط وتعلق، آپ ان سے ایسا مضبوط تعلق قائم رکھتے کہ نہ یہودیت، عیسایت کو طمع کرنے کا موقع ملتا نہ مجوسیت ومنافقت وغیرہ کو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہر وقت جلیس وہم نشین نظر آتے، آپ سے فراق ان کے لیے بار گراں ہوتا۔

لہٰذا آپ ائمہ حضرات بھی اپنے مقتدیوں سے مضبوط تعلق باندھ لیں، بالفرض اگر آپ کی امامت سے مذکورہ بالا امور میں سے کچھ حاصل نہ بھی ہوں تب بھی آج کفر والحاد اور طاغوتی طاقتوں سے بچائے رکھنا بھی اتنا بڑا فائدہ ہے کہ شاید وہ آپ کی کامیاب امامت کی دلیل ہو۔ لیکن یہ تعلق، اپنی ذات کے لیے نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں۔ آمین

تمت بحمد اللہ تعالیٰ

مؤلف کی دیگر کتابیں





طلب کے ٹھکانے :

مکتبہ احمدیّہ راندیر، سورت	99746 04855
مکتبہ احمدیّہ ایلول، سابر کانٹھا	99742 72192
کتب خانہ رشیدیہ چھاپی ہایوے بناس کانٹھا	99041 11938
مفتی رمضانی صاحب، گودھرا، پنچ محل، گجرات	85112 86164
جمعیت علماء دریاپور، احمد آباد	079-22169200
مولانا حمزہ صاحب، دیوا، دارالعلوم، انکلیشور	94284 42151
مولانا شعیب صاحب ایلولوی بھاؤنگر	73833 13951
مدرسہ الیاسیہ منگرول پیر واشم (مہاراشٹر)	89755 14144
مولانا محبوب صاحب، ایلولوی، میگنگر (ایم، پی)	88190 56252
مولانا خالد سیف اللہ پالیہ مسجد (بنگلور ۲۱)	96119 38995